سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے مع تسہیل وتلخیص

خطباتِ مدراس

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

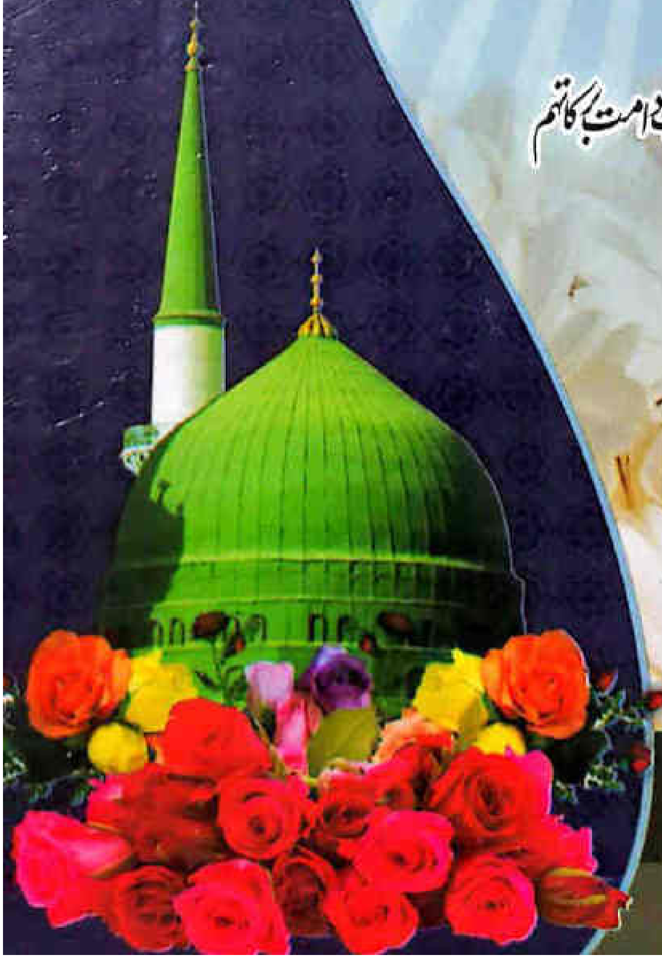
زیر سرپرستی

پیر طریقت عارفِ وقت حضرتِ اقدس شاہ ڈاکٹر عبد المقیم صاحب دامت برکاتہم

مہتمم یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ لاہور

تسہیل وتلخیص

پروفیسر اُم عطیہ عثمانی صاحبہ دام ظلہا



مدرسہ احیاء السنہ وخانقاہ اشرفیہ اختریہ مقیمیہ
فاروقہ پوسٹ کوڈ [illegible] ضلع سرگودھا

زیر سرپرستی
پیرِ طریقت عارفِ وقت حضرت اقدس شاہ ڈاکٹر عبد المقیم صاحب دامت برکاتہم
(مہتمم یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ لاہور)

سلسلہ نشر و اشاعت نمبر ۱۷

ضروری تفصیل

نام کتاب: خطباتِ مدراس

مصنف: حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

تسہیل و تلخیص: پروفیسر اُمِّ عطیہ عثمانی صاحبہ دام ظلہا

تزئین و آرائش: محمد ارمغان ارمانؔ

صفحات: ۱۷۶

اشاعت اوّل: جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ/ مارچ ۲۰۱۶ء

تعداد: بارہ سو (۱۲۰۰)

ناشر: مدرسہ احیاء السُّنّہ و خانقاہ اشرفیہ اختریہ مُقیمیہ' فارُوقہ پوسٹ کوڈ ۴۰۱۰۰ ضلع سرگودھا

0301/0335-6750208

www.ehyaussunnah.blogspot.com | ehyaussunnah@gmail.com

نگرانِ طباعت و اشاعت
ابو حمّاد (قاری) محمّد عبید اللہ ساجد
ابن حضرت مولانا محمد عبد اللہ ارشد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- مہتمم مدرسہ احیاء السنہ فاروقہ ضلع سرگودھا
- خلیفہ مجاز پیرِ طریقت عارفِ وقت حضرت اقدس شاہ ڈاکٹر عبد المقیم صاحب دامت برکاتہم

فہرست

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے
اللہ ﷻ سے ملاتے ہیں سُنّت کے راستے

عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب

تاثرات

استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی سیّد عبد القدوس ترمذی صاحب مدظلہم

(مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بعد الحمد و الصلاۃ: کتاب ''خطباتِ مدراس'' مؤرخِ اسلام حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عظیم علمی و تاریخی شاہکار ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ کے مقدس عنوان پر بہت کچھ لکھا گیا اور آئندہ بھی لکھا جائے گا لیکن حضرت سیّد صاحب نے جس اچھوتے انداز میں لکھا ہے' وہ اپنی مثال آپ ہے۔ سو سال گزر جانے کے باوجود ''خطباتِ مدراس'' کا سحر انگیز انداز آج بھی لوگوں کے دلوں پر جادو کیے ہوئے ہے۔ ہر طبقہ میں خطبات کی پذیرائی یکساں ہے، عوام و خواص، مدارس، سکول اور کالج کے حضرات سب ہی ان سے مستفید ہو رہے ہیں اور ہمیشہ ہی ہوتے رہیں گے۔ سیرت پر حضرت سیّد صاحب کے یہ ادبی علمی شہ پارے بفضلہٖ تعالیٰ ہمیشہ مسلمانوں کے قلوب و اذہان کو لذت و حلاوت دیتے رہیں گے اور خدا نے چاہا تو غیر مسلموں کے لیے بھی ہدایت و رہنمائی کا سامان فراہم کرتے رہیں گے۔

ان کی قدر دانی کا تقاضا ہے کہ انہیں حرزِ جاں بنایا جائے اور اعلیٰ طباعت کے ساتھ خوب صورت انداز میں شائع کیا جائے اور تسہیل و تلخیص وغیرہ ہر طرح سے ان کی خدمت کی جائے۔ دَورِ حاضر میں عربی، فارسی حتیٰ کہ صحیح معنیٰ میں اردو تک کو کماحقہٗ سمجھنے والے حضرات بہت کم ہیں' اس لیے ضرورت تھی کہ ان خطبات کی عام فہم انداز میں تسہیل کی جائے اور اصل معیار و ادبیت کی روح کو قائم رکھتے ہوئے ان کی تلخیص بھی کی جائے۔ اس عظیم خدمت کی سعادت حق تعالیٰ نے محترمہ ام عطیہ عثانی

صاحبہ کو عطا فرمائی، جو ایک عرصہ تک ''خطباتِ مدراس'' پڑھاتی رہی ہیں اور یہ خطبات ان کا خاص الخواص اور پسندیدہ موضوع رہا ہے۔

برادرِ عزیز قاری عبید اللہ ساجد سلمہٗ کی فرمائش پر احقر کو یہ تلخیص اور تسہیل دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، واقعۃً محترمہ ام عطیہ عثمانی صاحبہ کی محنت اور جدوجہد قابلِ داد اور لائقِ ستائش ہے۔ پھر کتاب کے مسودہ کا مواجہہ شریف میں پڑھا جانا، اس کتاب اور حضرت مؤلف علامہ اور سب متعلقین کے لیے یقیناً نیک فال ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی یہ عظیم خدمت قبول فرمادیں، انھیں جزائے خیر دیں اور اصل کتاب کی بے پناہ مقبولیت کی طرح، اس تسہیل اور تلخیص کو بھی مقبولیت کا شرف عطا فرمائیں۔ نیز حضرت مؤلف علامہ رحمہ اللہ کے درجات کی بلندی اور اُمِّ عطیہ صاحبہ اور ناشرِ کتاب و معاونین کی نجات کا ذریعہ بنائیں، آمین۔

فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۲۴ر محرم الحرام ۱۴۳۷ھ ۷ر نومبر ۲۰۱۵ء

؎ مومن جو فدا نقشِ کفِ پائے نبی ہو
ہو زیرِ قدم آج بھی عالم کا خزینہ

گر سنتِ نبوی کی کرے پیروی امت
طوفاں سے نکل جائیگا پھر اس کا سفینہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تعارف

حضرت سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللّٰہ علیہ

سیّد الطائفہ علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللّٰہ علیہ علومِ اسلامیہ کے بحرِ ذخّار اور ایک نابغۂ روزگار ہستی تھے۔ آپ کی ولادتِ باسعادت بروز جمعہ نومبر ۱۸۸۴ء بمطابق ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ دیسنہ ضلع پٹنہ، بہار میں ہوئی۔ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے علمی تبحر، صاحبِ علم وفضل اور جامع الکمالات ہونے کا اعتراف، برصغیر کے نامور اہلِ علم اور صاحبانِ قلم کے ساتھ ساتھ، مغربی مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللّٰہ علیہ نے سیّد صاحب کے بارے میں فرمایا کہ ''سیّد صاحب علومِ اسلامیہ کے جوئے شیر کے فرہاد ہیں۔''

سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی شخصیت، جہاں ایک طرف جدّت وقدامت کا سنگم تھی، وہیں قدیم وجدید دونوں طبقات کے درمیان حلقۂ اتصال بھی تھی۔ وہ علومِ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ جدید افکار وتصورات، نئے رجحانات اور عصرِ حاضر کی مختلف تحریکوں سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے، نیز تلاش وتحقیق اور نقد ونظر کے جدید طریقوں کے بھی ماہر تھے۔ آپ کی علمی ودینی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے لیکن ان سب کی بنیاد اسلامی احکامات وتعلیمات کی صحیح اور دلنشین تعبیر وترجمانی اور اسلامی علوم وفنون، اسلامی تاریخ، اسلامی تہذیب وثقافت اور مسلمانوں کے علمی وتمدنی کارناموں کی محققانہ مرقع نگاری پر رکھی گئی ہے۔

میدانِ علم وفن کے گوناگوں شعبوں میں آپ کی شخصیت کی ہمہ گیری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ بیک وقت مفسر بھی تھے اور محدّث بھی، فقیہہ بھی تھے اور مؤرخ بھی، محقّق بھی تھے اور مبصّر بھی، دانشور بھی تھے اور نقاد بھی، معلّم بھی تھے اور متکلم بھی، فلسفی بھی تھے اور ادیب بھی، خطیب بھی

تھے اور مقرر بھی، صوفی بھی تھے اور شاعر بھی، مصنف بھی تھے اور صحافی بھی اور سب سے بڑھ کر ایک عظیم الشان سیرت نگار بھی۔

سیرت نگار کی حیثیت سے آپ کی تصنیف ''سیرۃ النبی ﷺ'' ایک لازوال شاہ کار ہے جس میں ان کے خاص فنون اور علم و تحقیق کی شان مکمل طور پر جلوہ گر ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر سیرت کے ذخیرۂ کتب میں، خواہ وہ کسی زبان میں لکھی گئی ہے، منفرد حیثیت رکھتی ہے، حتیٰ کہ عربی میں بھی اس نوعیت اور اس پائے کی کوئی سیرت نہیں لکھی گئی۔

سیرت کے موضوع پر سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری اہم کتاب ''خطباتِ مدراس'' ہے۔ یہ وہ آٹھ خطبات ہیں، جو جنوبی ہند کی ''اسلامی تعلیمی انجمن'' کی فرمائش پر اکتوبر، نومبر ۱۹۲۵ء میں مدراس میں سیرۃ النبی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر دیے گئے۔ ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب اپنی معلومات کی وسعت، مباحث کی ندرت اور افادیت کے لحاظ سے سیرت کی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے۔ اس میں ایک نئے نقطۂ نظر اور نئے اسلوب سے سیرۃ النبی ﷺ پر بحث کی گئی ہے، جن کی جانب بہت کم توجہ کی گئی تھی۔

آپ کی دیگر تصانیف میں سیرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا، ارض القرآن، عرب و ہند کے تعلقات، خیّام، حیاتِ شبلی، رحمتِ عالم، حیاتِ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، عربوں کی جہاز رانی، یادِ رفتگاں، بہادر خواتینِ اسلام، شاعری کا مجموعہ ''ارمغانِ سلیمان'' اور تقریباً ساڑھے تین سو سے زائد نہایت وقیع، جامع اور بصیرت افروز علمی و تحقیقی مقالہ جات شامل ہیں۔

علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم ''ندوۃ العلماء'' کے استاذِ ادب، بعد ازاں معتمدِ تعلیم اور ''الندوہ'' کے نائب مدیر بھی رہے۔ ''الہلال'' جیسے عہد آفریں صحیفے کی ادارت بھی کی۔ مولانا محمد علی جوہر کی سرکردگی میں مجلسِ خلافت کے وفدِ انگلستان کے لیے مسلمانانِ ہند کی دینی نمائندگی کے لیے آپ کا انتخاب ہوا۔ اپنے مربی اور استاذِ گرامی مولانا شبلی کے رفیق و معاون اور ان کے انتقال کے بعد ''مجلس دار المصنفین'' کے ناظم، روحِ رواں اور ''معارف'' جیسے بلند پایہ صحیفے کے مدیر بھی

رہے۔ سلطان ابنِ سعود کی دعوت پر مؤتمرِ اسلامی کے عالمِ اسلام کے منتخب مجمعے میں، فصیح و بلیغ عربی زبان میں اظہارِ خیال کر کے مسلمانانِ ہند کی دینی و علمی عظمت کا نقش قائم کیا۔ شاہِ افغانستان نادر خان نے قومی و دینی تقاضوں اور عصرِ حاضر کی ضروریات کے مطابق افغانستان کا نظامِ تعلیم مرتب کرانے کے لیے ڈاکٹر سر محمد اقبال اور سر راس مسعود کے ساتھ ساتھ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب بھی فرمایا۔ آپ ملک کے انقلابی تقاضوں اور امنگوں کو سمجھنے اور ان کا ساتھ دینے کے لیے کانگریس کے مخصوص جلسوں میں شرکت اور خلافت جمعیۃ العلماء کے سالانہ جلسوں کی صدارت بھی فرماتے رہے۔ ہر جگہ آپ کی شخصیت کا وقار، رائے کا وزن اور علمیت کا زبردست اعتراف کیا جاتا رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس جامعہ ملّیہ انجمن ترقی اردو اور ہندوستانی اکادمی کو اپنے گراں قدر خطبات و مقالات سے بھی مستفید اور مالا مال کرتے رہے۔

روحانیت کی تکمیل کے لیے آپ حاجی امداد اللہ مکّی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور جلد ہی خلافت کے مستحق قرار پائے۔ زندگی کے آخری دور میں ریاستِ بھوپال کی مسندِ قضاء پر متمکن ہوئے۔

پاکستان تشریف آوری پر اپنے علمی اور تحقیقی کاموں کے ساتھ ساتھ اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے ملکی آئین کی ترتیب میں دینی رہنمائی بھی فرمائی۔

اُردو کے اعلیٰ پائے کے انشا پرداز و مؤرخ اور آپ کے استاذِ گرامی شبلیؔ نے سیّد صاحب کے بارے میں ندوۃ العلماء کے اجلاس ۱۹۱۲ء میں تقریر کرتے ہوئے، آپ کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا:

"ندوہ نے کیا کیا کچھ نہیں کیا، ایک سلیمان پیدا کیا، یہی کافی ہے۔"

حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء بمطابق ۱۴ ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ کراچی میں داعیِ اجل کو لبیک کہا ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

کچھ مصنفہ کے بارے میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا

نام: اُمِّ عطیہ عثمانی بنتِ عبدالحمید عثمانی..... پیدائش: ۱۹۵۴ء

محترمہ کے آباؤاجداد بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے' بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں تبلیغِ اسلام کے لیے ہندوستان میں وارد ہوئے' بعدازاں فوج میں سپہ سالار ہوئے۔ میرٹھ (انڈیا) سے بارہ میل کے فاصلے پر ''سردھنہ'' نامی قصبے میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔ مصنفہ کے والدِ محترم نے ۱۹۵۲ء میں میرٹھ سے لاہور میں سکونت اختیار کی۔ ۱۹۵۴ء میں لاہور میں پیدا ہوئیں۔ ۱۹۷۶ء میں اردو ادب میں ایم اے کیا' بعدازاں بی ایڈ کیا' شوہر کی وفات کے بعد ایم فل کیا' پی ایچ ڈی کا کام بوجہ بیماری مکمل نہ کر سکیں۔ ۱۹۸۲ء میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ شادی سے قبل بیکن ہاؤس سکول میں تعلیم و تدریس کی' شوہر کی وفات کے بعد ۱۹۹۱ء میں لیکچررشپ اختیار کی' جسے دو سال بعد پبلک سروس کمیشن کے تحریری امتحان اور انٹرویو کے بعد مستقل کیا۔ ۳۱ مئی ۲۰۱۴ء میں کوئین میری کالج سے ریٹائرمنٹ ہوئی۔

پروفیسر اُمِّ عطیہ عثمانی زین الصوفیاء عارفِ وقت حضرت شاہ ڈاکٹر عبدالمقیم صاحب مدظلہم سے مسترشدہ ہیں۔ آپ کے شوہرِ نامدار سراج منیر مرحوم گوناگوں صلاحیتوں کے مالک تھے۔ بنگلہ دیش کے ایک قصبے ''سید پور'' کے ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولی' خاندان کا تعلق غازی پور یوپی (انڈیا) سے تھا۔ ۱۹۷۶ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی زبان و ادب میں ایم اے کیا' ۱۹۸۴ء میں حکومتِ پاکستان کی فرمائش پر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور کی نظامت قبول کی' تادمِ مرگ (۲۵ ستمبر ۱۹۹۰) اس عہدے پر فائز رہے۔ سراج منیر مرحوم کے والد حضرت مولانا سیّد محمد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ انڈیا کے صوبہ یوپی کے مشہور شہر ''غازی پور'' ۱۷ اگست ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم غازی پور کے ایک دینی مدرسہ

میں حاصل کی پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور تیسرے سال دورۂ حدیث شریف پڑھ کر سندِ فراغ حاصل کی۔ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے۔ آپ نے آگرہ یونیورسٹی (انڈیا) سے بی اے اور پھر ایم اے کی ڈگری حاصل کی' کچھ عرصہ غازی پور کے ایک کالج میں لیکچرار رہے' ۱۹۵۱ء میں مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) چلے گئے اور عرصہ تک وہیں پر تعلیم وتربیت میں مصروف رہے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد ۱۹۷۲ء میں آپ پاکستان تشریف لے آئے' ۱۹۷۴ء میں آپ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ لاہور کے ریسرچ سیل میں پہلے مشیر پھر ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور تاحیات اسی عہدہ پر کام کرتے رہے۔ آپ ایک بہترین مقرر اور مصنّف تھے۔ ریڈیو' ٹی وی پر آپ کی تقاریر نشر ہوتی تھیں' آپ نے بہت سی کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔ جن میں اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ' اسلامی حدود' اسلام کا قانونِ شہادت' سیّد ہجویر اُمم رحمۃ اللّٰہ علیہ اہم کتابیں ہیں۔ ۴؍رجب المرجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۰؍جنوری ۱۹۹۲ء بروز جمعہ آپ کا انتقال ہوا' اگلے دن حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللّٰہ علیہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان میانی صاحب لاہور میں حضرت طاہر بندگی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے جوار میں آپ کی تدفین ہوئی۔ رحمۃ اللّٰہ رحمۃً واسعۃً

پروفیسر اُمِ عطیہ عثمانی دام ظلہا حضرت پیر و مرشد حضرت شاہ ڈاکٹر عبدالمقیم صاحب سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتی ہیں۔ یہ کتاب مستطابِ لاجواب حضرت مرشدی مدظلہم کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ میرے لیے انتہائی خوشی کی بات ہے کہ اشاعت وطباعت کے لیے قرعۂ فال میرے نام نکلا۔ اللہ پاک اس سعی کو مصنفہ کے لیے توشۂ آخرت بنائے اور بہن پروفیسر اُمِ عطیہ عثمانی کی اولاد برخوردار عزیزم سیّد حسن سراج منیر ہاشمی سلمہٗ وعزیزم سیّد یٰسین سراج منیر ہاشمی سلمہٗ کو دادا کی میراث سنبھالنے اور ان کی کتب کو منظرِ عام پر لانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ابوحماد محمد عبید اللّٰہ ساجد غفر اللّٰہ ولوالدیہ
مہتمم مدرسہ احیاء السنہ فاروقہ ضلع سرگودھا
۴؍محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷؍اکتوبر ۲۰۱۵ء

ابتدائیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی. اَمَّا بَعۡد!

''خطباتِ مدراس'' کی تسہیل و تلخیص دراصل اُن بابرکت لمحات کی واردات ہے کہ جب ایف اے سال اوّل کی اُردو لازمی کی کتاب میں ''خطباتِ مدراس'' سے ایک خطبہ بعنوان ''اسوۂ حسنہ ﷺ'' شاملِ نصاب ہوا۔ ''خطباتِ مدراس'' سے یہ میرا پہلا تعارف تھا اور پھر دھیرے دھیرے اس کی بے مثال خوشبو، مشامِ جاں میں پھیلتی چلی گئی اور میری زندگی کا مبارک عنوان بن گئی۔ ہر سال طالبات کو اس سبق کی تدریس، پہلے جاں، پھر جانِ جاں، پھر جانِ جاناں ہو گئی۔ ہفتوں ''خطباتِ مدراس'' کے موضوعات و متعلقات پر بات چیت رہتی۔ آگہی کے کتنے روشن دریچے تھے، جو اِن خطبات کی تدریس کے دوران مجھ پر اور میری عزیز طالبات پر وا ہوتے رہے۔ احوال و واردات کی ایک انمول قوسِ قزح تھی، جس نے مجھے ادراک اور ایقان کا ایک نیا اور منفرد شعور عطا کیا کہ فتنوں اور گمراہیوں کے اس ماحول میں بھٹکتے ہوئے انسانوں، خصوصاً ترقی یافتہ دور کے مسائل سے نبرد آزما اور بے یقینی کا شکار لیکن آئیڈیل ہیرو شپ کی طلب گار، مغرب زدہ نوجوان نسل کو ''خطباتِ مدراس'' کے ذریعے، اصل بنیاد سے جوڑنے کے لیے اُس پٹڑی (صراطِ مستقیم) پر لایا جائے، جس کی ترتیب و تعمیر خود آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی تھی کہ لاریب آپ کی ذاتِ گرامی اور آپ کی سیرتِ مبارکہ ہی کائنات کا احسن ترین ''رول ماڈل'' ہے۔ بوجہلی اور بولہبی زندگی گزارنے والوں کے لیے نقوشِ کفِ پائے علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی ہی سرمایۂ حیات و ممات، دنیاوی کامیابی کی کنجی اور آخرت میں نجات کی مکمل ضامن ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تُو نے، تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

آج تک سیرۃ النبی ﷺ کے مقدس موضوع پر عاشقانِ رسول ﷺ نے بقدرِ ہمّت وتوفیق ہر زاویے سے حقِ محبت ادا کرنے کی سعی فرمائی۔ ''خطباتِ مدراس'' ان تمام سیرتوں کا جوہر اور عطر ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ ''خطباتِ مدراس'' جہاں اپنی معلومات کی وسعت' مباحث کی ندرت اور افادیت کے لحاظ سے سیرت کی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے' وہیں ان خطبات میں خود حضرت سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے نبیِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کی تاریخیّت' کاملیّت' جامعیّت اور عملیّت پر پہلی بار منفرد انداز سے جو جامع اور مدلل موازنہ پیش فرمایا ہے' اس نے ''ہیروشپ'' ''لیڈرشپ'' اور ''رول ماڈل'' کی اُس قلبی وروحانی طلب اور تشنگی کو سیراب وشاداب کیا ہے' جو آج کی محروم وقلاّش دنیا اور اس عصرِ قحط الرجال کی اہم ترین ضرورت اور تقاضا ہے۔ آج سسکتی ہوئی انسانیت' اخلاقی وروحانی گراوٹ اور زبوں حالی کے جس پست ترین درجے پر پہنچ کر انگشت بدندان' مجسمِ سوال اور منتظرِ ہدایت ہے' ''خطباتِ مدراس'' ان سب کا شافی وکافی جواب اور علاج ہے۔

''خطباتِ مدراس'' کی اس ہمہ جہت اہمیت وافادیت نے احوال وارداتِ قلبی کو کچھ اس طور سے مہمیز لگائی کہ اس حقیرہ وفقیرہ کو اس کی تسہیل مع تلخیص کی توفیق بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوگئی۔

''خطباتِ مدراس'' کا اُردو نسخہ جو مارکیٹ میں دستیاب ہے' اس کے مطالعے کے دوران بارہا یہ احساس ہوا کہ ''خطباتِ مدراس'' جس پائے کی تصنیف ہے' اس کی اشاعت وطباعت اور اس کی شان میں وہ احتیاط واہتمام نہیں برتا گیا' جس کی لاریب یہ حق دار ہے۔ ''خطباتِ مدراس'' کی اس جدید رونمائی میں جن پہلوؤں کو مدِّنظر رکھا گیا' اس میں سرِفہرست اس کی زبان وبیان ہے۔ خصوصی طور پر یہ التزام بھی رکھا گیا کہ پوری کتاب میں محترم سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے جوشِ خطابت کا اصل سرور اور قاری کی سرشاری متاثر نہ ہو۔ کئی مقامات پر مختلف اقتباسات کو اصل متن کے مطابق عین مین ویسے ہی رہنے دیا گیا کہ یہ اُردو ادب میں انشاپردازی کے شاہکار نمونے ہیں اور انھیں قلم زد کر کے یہ ناچیز بے ادبی کی مرتکب نہیں ہونا چاہتی تھی۔

جہاں تک ''خطباتِ مدراس'' کی زبان کا تعلق ہے' وہ اتنی بھی دقیق اور پیچیدہ نہیں' لیکن کیا

کیجیے کہ آج عام قاری' خصوصاً ماڈرن انگلش میڈیم فضا میں سانس لینے والی نسل کی اردو زبان و بیان جس انداز اور معیار پر ہے' اس کے لیے دل ماتم کناں رہتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اظہر من الشمس ہے کہ اردو کو آج تک وہ اہمیت اور مقام دیا ہی نہیں گیا' جس کا وعدہ بانیٔ پاکستان قائد اعظم رحمۃ اللّٰہ علیہ کے حکم کے مطابق آئین پاکستان میں بھی کیا گیا تھا۔ دنیا کی تیسری بڑی زبان ہونے کے باوجود اس ''زبانِ آب دار'' کی تاب داری'' تو کیا ہوتی' آج اڑسٹھ سال بعد بھی یہ گیت الاپتے ہوئے ہماری نگاہیں شرم سے نہیں جھکتیں کہ ع

گیسوئے اردو ابھی منّت پذیر شانہ ہے

مزید ستم یہ کہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد بھی لارڈ میکالے کے ذہنی غلاموں اور چیلے چانٹوں نے اردو کو اس کے جائز حق سے محروم رکھا۔ روز بروز بڑھتی ہوئی انگریزیت اور مغربیت کے سیلاب سے برآمد شدہ ''برگر فیملیز'' اور ''ممی ڈیڈی نسل'' پر نوحہ خوانی ایک علیحدہ موضوع ہے' جو خون کے آنسو رُلاتا ہے۔

آمدم برسرِ مطلب'' خطباتِ مدراس'' کی تسہیل و تلخیص میں عام قاری اور خصوصاً سکول و کالج کے طالب علموں کی اردو زبان میں استعداد کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مشکل الفاظ اور اصطلاحات کے معانی، شخصیات کا تعارف اور تشریح طلب نکات کو فٹ نوٹس میں جگہ دی گئی ہے۔ خصوصی طور پر یہ اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ قرآن و احادیث کو اصل متن' اردو ترجمے اور مکمل حوالہ جات کے ساتھ پیش کیا جائے۔

''خطباتِ مدراس'' آج جس نئے رنگ روپ اور ملبوس میں مشرف بہ طباعت ہوئی ہے' اس میں لاریب میرا کوئی کمال نہیں۔ میرے مرشدی و مولائی' زین الصوفیاء' پیرِ طریقت شاہ ڈاکٹر عبدالمقیم صاحب دامت برکاتہم وعمّت فیوضہم (۱) کی صمیمِ قلب سے نکلی ہوئی دعائیں اور توجہات ہیں کہ آپ

(۱): آپ سلسلۂ اشرفیہ کے ایک عظیم بزرگ سلطان العارفین شیخ العرب والعجم عارف باللّٰہ مجدّدِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کے فیض یافتہ، صحبت یافتہ اور نہایت محبوب خلیفہ مجازِ بیعت ہیں۔ یادگار خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ لاہور میں اپنے شیخ و مرشد کی تعلیمات اور فیوض و برکات کو عام کرنے میں مصروفِ عمل ہیں اور خلقِ کثیر آپ سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ ربِّ کریم آپ کو کامل صحت و تندرستی عطا فرمائے، آمین۔ (محمد ارمغان ارمان)

نے ہمیشہ اس حقیرہ وفقیرہ کو بیٹی کے درجے پر رکھتے ہوئے خصوصی شفقت کا برتاؤ کیا' بلاشبہ آپ کا وجودِ بابرکات میرے اور میرے اھلِ خانہ کے لیے خیرِ کثیر اور بے بہا سرمائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللّٰہ کریم آپ کا سایۂ اقدس صحت وتندرستی اور فیوض وبرکات کے ساتھ تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے' آمین۔

مِری بے تابیِ دل میں انھی کا جذب پنہاں ہے
مِرا نالہ انھی کے لطف کا ممنونِ احساں ہے

دراصل ''خطباتِ مدراس'' پر کام کرنے کی سعادت کئی سال پہلے حاصل ہوئی لیکن اپنی کم علمی اور کم مایگی کے احساس کے سبب اشاعت کا حوصلہ نہ ہوا۔ میرے سیدی ومرشدی حضرت شاہ ڈاکٹر عبدالمقیم مدظلہ العالی کے خلیفۂ مجاز اور میرے انتہائی محترم پیر بھائی (جو مجھے ہمیشہ بڑی بہن کا سا احترام دیتے ہیں اور میرے بچوں سے محبت وشفقت اور توجہ کا خصوصی تعلق رکھتے ہیں) حضرت ابوحماد عبیداللّٰہ ساجد صاحب سے اکثر کتب ورسائل کا تحفہ موصول ہونے پر تبادلۂ خیالات رہا۔ محترم ابوحماد عبیداللّٰہ ساجد صاحب' اپنے پیرومرشد حضرت شاہ عبدالمقیم مدظلہ العالی کے ذوق وشوق اور حسبِ فرمائش' شعبۂ نشرواشاعت میں جس اخلاص اور سعی وجہد کے ساتھ مقدس عنوانات اور خوبصورت کاوشوں کو منظرِ عام پر لانے میں اپنا خونِ جگر صرف کررہے ہیں' وہ اُنھی کا خاصہ ہے' یقینِ کامل ہے کہ اللّٰہ کریم ان کی سعیِ صالحہ کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں گے' اِنْ شَآءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز۔

''خطباتِ مدراس'' کی اس طباعتِ جدید اور رونمائی کے لیے میرے محترم بھائی ابوحماد عبیداللّٰہ ساجد صاحب نے جو حوصلہ افزائی فرمائی اور قیمتی مشوروں سے نوازا' ان کی سعیِ جمیلہ کے لیے' قلبی امتنان وتشکّر کے طور پر' میں ان کی صحت وسلامتی اور دونوں جہان میں بلندیٔ درجات کے لیے تاحیات دعاگو رہوں گی۔

''خطباتِ مدراس'' کی تسہیل وتلخیص کے سلسلے میں' یہ امرِ واقعہ میرے لیے روحانی وقلبی سرشاری وطمانیت کا سبب ہے کہ اس کا مسودہ طباعت سے قبل مدینہ منورہ میں مواجہ شریف کے سامنے پڑھا جاچکا ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّھَا وَ لَکَ الشُّکْرُ کُلُّھَا۔

حرفِ آخر کے طور پر قارئینِ کرام سے استدعا ہے کہ مجھے اور میرے اہلِ خانہ کو اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیے۔ اس کاوش میں کوئی کمی یا غلطی رہ گئی ہو تو اس کی نشان دہی ضرور فرمایئے گا' آپ کے مشورے سر آنکھوں پر۔ اللہ کریم میری اس عاجزانہ سعی و کاوش کو شرفِ قبولیت اور اُمتِ مسلمہ' خصوصاً نوجوان نسل کے لیے منفعت کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

حقیرہ وفقیرہ

اُمِ عطیہ عثمانی

بتاریخ: ۳۰ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

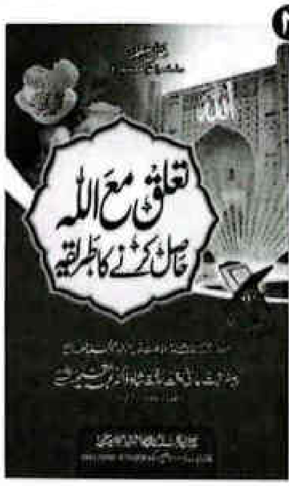
مواعظ پیرِ طریقت عارفِ وقت حضرتِ اقدس شاہ ڈاکٹر عبد المقیم صاحب دامت برکاتہم

۱



اصلاحِ معاشرہ
اور ہماری ذمہ داری

۲



تعلق مع اللہ
حاصل کرنے کا طریقہ

..... ملنے کا پتہ .....

- یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، بالمقابل چڑیا گھر' شاہراہِ قائدِ اعظم' لاہور
- مدرسہ احیاء السنۃ و خانقاہ اشرفیہ اختریہ مُقیمیہ' فاروقہ ۴۰۱۰۰ ضلع سرگودھا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الۡاُمِّيِّ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا

پہلا خطبہ

انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی سیرتوں سے ہی ہوسکتی ہے

اللہ جل شانہٗ اس کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات انسان کے لیے بنائی اور انسان کو دعوت دی کہ اس کائنات کے بارے میں غور وفکر کرے۔ اس کائنات کی تخلیق کس لیے ہوئی اور اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کائنات کا نظام کیسے چل رہا ہے؟ اس کائنات میں انسان کا کیا مقام ہے؟ انسان کو اس دنیا میں کس طرح اپنے فرائض اور اپنا کردار ادا کرنا ہے؟ یہ وہ تمام باتیں ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرماتا ہے:

اَفَلَا تَتَفَكَّرُوۡنَ — تم غور وفکر کیوں نہیں کرتے؟

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ — تم عقل اختیار کیوں نہیں کرتے؟

اَفَلَا تَدَبَّرُوۡنَ — تم کام کے انجام پر (دور اندیشی) غور کیوں نہیں کرتے؟

آیئے! ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کچھ غور وفکر کریں، اللہ تعالیٰ کی ذات کا ذکر کریں، کچھ سوچیں، سمجھیں اور اپنی عقل کو بہترین انداز سے استعمال میں لائیں اور اپنی زندگی کا پورا پورا حق ادا کریں، جو اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت بھی ہے اور یہ زندگی ہمارے پاس اللہ کی امانت بھی ہے۔ یاد رکھیے! ہمیں اللہ تعالیٰ کی اس امانت کے ایک ایک لمحے کا حساب بھی دینا ہے۔

اللّٰہ جل شانہٗ نے پوری کائنات کو پیدا کیا۔ وہی اس دنیا کے بھی مالک اور خالق ہیں، جس میں ہم رہتے ہیں۔ اس پوری دنیا پر غور کریں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ ایک بہت بڑی جادوگری ہے، جس میں طرح طرح کے عجوبے اور حیران کر دینے والی چیزیں ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جو تمام مخلوقات پیدا کیں، ہم انھیں تین قسموں میں بیان کرتے ہیں: **جمادات**، **نباتات** اور **حیوانات**۔

پہلی قسم **جمادات** کی ہے، جس میں مٹی کے ذرات سے لے کر بڑے بڑے پہاڑ شامل ہیں۔ جمادات کی کئی قسمیں ہیں، جن میں سے ایک قسم میں زندگی کا ہلکا سا نشان ملتا ہے، لیکن جمادات میں احساس اور ارادہ نہیں پایا جاتا اور ان میں اچھے بُرے کی تمیز بھی نہیں پائی جاتی، اسی لیے جمادات فرائض کی ذمہ داریوں سے آزاد ہیں۔

دوسری قسم **نباتات** کی ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے گھاس کی پتی سے لے کر ہر جڑی بوٹی اور درخت کے اندر کچھ احساسات رکھے اور انھی احساسات کی بنیاد پر نباتات کی نشوونما ہوتی ہے، یعنی یہ بڑھتے اور پھلتے پھولتے ہیں۔ کچھ دن زندہ رہتے ہیں، پھر ایک دن مر جاتے ہیں، لیکن ان کی اس نشوونما میں ان کے ارادے کا کوئی دخل نہیں۔

تیسری قسم **حیوانات** کی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام حیوانات اپنے اندر احساس بھی رکھتے ہیں اور ارادہ بھی۔ اسی احساس اور ارادے کی وجہ سے یہ مختلف حرکات کرتے ہیں اور اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ حیوانات کے مقابلے میں انسان کو دیکھیے، انسان میں احساسات بھی ہیں، اللّٰہ تعالیٰ نے انسان کو اچھے بُرے کی تمیز اور عقل بھی عطا فرمائی ہے اور انسان میں کسی بھی کام کو کرنے کے لیے ارادے کی قوت بھی رکھی گئی ہے، اسی لیے دوسری تمام مخلوقات کے مقابلے میں، اللّٰہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے بے شمار فرائض رکھے ہیں۔ انسانوں کی ذمہ داریاں بھی زیادہ رکھی گئی ہیں، اسی لیے انسان بے شمار فرائض کی پابندیوں میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے۔

آیئے، اب ایک اور انداز سے تمام مخلوقات کے معاملات دیکھتے ہیں۔ جس جس مخلوق میں احساس، عقل اور ارادے کی کمی ہے، وہاں اللّٰہ تعالیٰ کی قدرت نے اس مخلوق کی پرورش اور نشوونما کی

ذمہ داری خود اٹھا رکھی ہے۔ کیا آپ نے کبھی غور فرمایا کہ پہاڑوں کے اندر لعل اور ہیروں کی پرورش کون کرتا ہے؟ سمندر کی مچھلیوں کو کون پالتا ہے؟ جنگل کے جانوروں کی دیکھ بھال کا فرض کون ادا کرتا ہے؟ حیوانات کی بیماری اور سردی گرمی میں ان کی دیکھ بھال کون کرتا ہے؟

کیا کبھی آپ نے غور کیا کہ یورپ کے کُتّے اور افریقہ کے کُتّے کی ضرورتوں میں فرق ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے انتظامات خود کیے ہیں۔ گرم ملکوں اور سرد ملکوں کے جانوروں کے پنجے، بال، روئیں اور کھال کے رنگ، اللہ تعالیٰ نے ان کے ماحول اور آب و ہوا کے مطابق مختلف بنائے ہیں۔

اس مثال سے آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی جس مخلوق میں احساس، اچھے بُرے کی تمیز، عقل اور ارادے کی کمی ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کمی کا ذمہ خود اٹھاتی ہے۔ اب دوسری طرف غور کیجیے کہ چونکہ ان حیوانات میں احساسات اور ارادے کی کمزوری پائی جاتی ہے، اسی لیے ان حیوانات کی زندگی کی حفاظت اور دشمنوں سے بچاؤ کا ذمہ، اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا اور انھیں اپنی حفاظت کے لیے مختلف سامان اور ذریعے عطا فرمائے۔ مثال کے طور پر کسی کو تیز پنجے اور نکیلے دانت دے دیے، تو کسی کو سینگ۔ کسی کو اُڑنا، کسی کو تیرنا، کسی کو تیز دوڑنے کی قوت، کسی کو ڈنک اور کسی کو دانتوں کا زہر عطا کیا، گویا مختلف آلات اور اسلحہ دے کر قدرت نے انھیں مسلّح کر دیا، تاکہ وہ اپنا بچاؤ اور حفاظت کر سکیں۔

اب انسان کو دیکھیے کہ انسان کو اپنی روزی کا سامان خود کرنا پڑتا ہے۔ اپنی روزی کے لیے انسان کاشت کاری کرتے ہیں۔ درخت لگانے اور پھلوں کے پیدا کرنے کے لیے محنت کرتے ہیں۔ سردی گرمی سے بچنے کے لیے انسان مختلف لباسوں کا انتظام خود کرتے ہیں، یہاں تک کہ اپنی بیماریوں اور زخموں کا علاج کرنے کے لیے انسان کو خود کوشش کرنی پڑتی ہے۔

اپنی حفاظت کے لیے انسان کے پاس نہ ہاتھی جیسے بڑے بڑے دانت اور سونڈ ہیں، نہ شیروں جیسے نکیلے دانت اور پنجے ہیں، نہ بیلوں جیسے سینگ۔ نہ کُتّوں اور سانپوں کا زہر ہے اور نہ

بچھوؤں اور بھڑوں جیسے ڈنک۔ گویا ظاہری طور پر انسان کو بالکل نہتا اور غیر مسلّح بنا دیا گیا ہے، مگر ان سب کی جگہ اللّٰہ تعالیٰ نے انسان کو جو عظیم تحفے عطا فرمائے ہیں، وہ احساس، اچھے بُرے کی تمیز، عقل اور ارادہ ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ کے عطا کردہ یہ تحفے ہی دراصل انسان کے اصلی ہتھیار اور قوتیں ہیں اور انھی قوتوں کے ذریعے انسان بڑے بڑے دانتوں اور سونڈوں والے ہاتھیوں کو زیر کر لیتا ہے، تیز پنجوں اور بڑے جبڑوں والے شیروں کو چیر ڈالتا ہے، خوفناک سانپوں کو پکڑ لیتا ہے، ہوا کے پرندوں کو گرفتار کر لیتا ہے۔ پانی کے بڑے بڑے دیو ہیکل جانوروں کو پھنسا لیتا ہے اور اپنے بچاؤ کے لیے سینکڑوں قسم کے ہتھیار، اسلحہ اور مختلف سامان پیدا کرتا رہتا ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ تمام جمادات، نباتات اور حیوانات کو اللّٰہ تعالیٰ نے وہ قوتیں عطا نہیں فرمائیں، جو انسان کو عطا فرمائی ہیں، اسی لیے اللّٰہ جل شانہٗ نے انسان کو "اشرف المخلوقات" یعنی مخلوقات میں سب سے زیادہ عزت والا اور ممتاز ٹھہرایا اور اسی مقام اور درجے کی وجہ سے اللّٰہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنایا تاکہ انسان اللّٰہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق اس دنیا کے نظام کو چلائے، جیسا کہ قرآنِ پاک میں اللّٰہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ (1)

ترجمہ: "اور (یاد کرو) جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں یقیناً زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے پہلے انسان تھے اور سب سے پہلے پیغمبر بھی، اسی لیے آپ کو اللّٰہ تعالیٰ نے اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا تاکہ آپ اور آپ کی اولاد یعنی ہم تمام انسان، قیامت تک اس دنیا میں اللّٰہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے اور تعلیمات و ہدایات کے مطابق زندگی گزاریں۔ قیامت تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد یعنی تمام انسان زمین پر اللّٰہ کے نائب بن کر اپنا فرض ادا کرتے

(1): سورة البقرة: آيت نمبر ٣٠۔

رہیں گے۔

اگر ہم انسانوں کی زندگیوں پر غور فرمائیں، تو ہمیں دو قسم کے انسان دکھائی دیتے ہیں۔ ایک قسم عام انسانوں کی ہے اور دوسری قسم خاص انسانوں کی ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے یہ پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوتیں عطا فرمائیں، ان میں احساس، اچھے بُرے کی تمیز، عقل اور ارادہ شامل ہیں۔ دیکھیے، ان قوتوں کی وجہ سے ہم انسان کیا کیا حرکتیں اور اعمال کرتے ہیں۔ کچھ انسان تو اپنے ارادے اور نیت کے مطابق اچھے کام کرتے ہیں اور کچھ اسی ارادے اور نیت کی بنیاد پر بُرے کام کرتے ہیں، اسی لیے یہ دنیا ''خیر'' اور ''شر'' یعنی بھلائی اور بُرائی کے کاموں سے بھری ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

جو لوگ اس دنیا میں شر پھیلاتے ہیں اور بُرے اعمال کرتے ہیں، وہ نقصان اور گھاٹے میں ہیں لیکن جو لوگ ایمان لائے، انھوں نے خیر کے کام کیے اور نیک عمل کیے، انھوں نے زندگی سے فائدہ اور نفع کمایا اور کامیاب زندگی بسر کی، جیسا کہ قرآنِ پاک میں ان دونوں طرح کے انسانوں کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ بھی ارشاد فرماتے ہیں:

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○[1]

ترجمہ: ''قسم ہے زمانے کی۔ یقیناً انسان خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عصر، یعنی زمانے کی قسم کھائی ہے۔ ''زمانہ'' کیا ہے؟ زمانے سے مراد وہ تمام واقعات، حادثات، حالات اور اثرات ہیں جو زمانے کے آغاز سے آج تک دنیا میں ظاہر ہورہے ہیں۔ زمانے کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ دنیا میں وہ تمام قومیں اور قوموں کے وہ تمام

(۱): سورۃ العصر: آیت نمبر ۱ تا ۳۔

افراد ہمیشہ گھاٹے اور نقصان میں رہے اور وہ برباد و ہلاک ہوئے' جو دو چیزوں سے محروم تھے' یعنی ایمان اور عملِ صالح ۔ انسان کے لیے ایمان سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے۔ ایمان کے بغیر انسان کی کوئی اہمیت' حیثیت اور قدر و قیمت نہیں ہے۔ انسان کے لیے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ وہ اللّٰہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر' اللّٰہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر' اللّٰہ کی بھیجی ہوئی مقدس کتابوں پر' اللّٰہ تعالیٰ کے غیبی نظام پر' فرشتوں پر' حساب کے دن یعنی قیامت پر' اپنی اچھی بُری تقدیر پر اور جنت دوزخ پر مکمل یقین اور پختہ ایمان رکھے۔ ان تمام چیزوں پر پختہ ایمان رکھنے سے ہی انسان' مسلمان بنتے ہیں۔ ان تمام چیزوں پر ایمان رکھیں گے' تبھی انسان نیک عمل کریں گے' اسی لیے بہترین اور نیک عمل کو عملِ صالح کہا جاتا ہے۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں یعنی نبیوں اور رسولوں کے ذریعے جو مذہبی کتابیں اور صحیفے تمام انسانوں کے لیے بھیجے' ان کے علاوہ اس دنیا میں جو اخلاقی قصے لکھے گئے' یہ سب کیا ہیں؟ ان تمام کتابوں میں جہاں اللّٰہ تعالیٰ کی ہدایت اور نصیحت کی باتیں ہیں' وہیں ایمان اور بے ایمانوں کی کہانیاں اور قصے بھی موجود ہیں کہ کس طرح ایمان والوں نے ترقی حاصل کی' اللّٰہ تعالیٰ نے کس کس طرح ایمان والوں کو اپنے انعامات و کرامات سے نوازا' انھیں نعمتوں اور عظمتوں سے مالا مال کر دیا اور ان کے مقابلے میں بے ایمان لوگ کسی طرح ذلیل و خوار ہوئے' کس طرح وہ تباہ و برباد ہوئے' یہاں تک کہ بے ایمانوں کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ گویا یہ تمام مقدس کتابیں اور اخلاقی قصے' ایک طرف تو ظلم اور جہالت اختیار کرنے والے انسانوں کی تصویریں دکھاتے ہیں اور دوسری طرف خیر اور عملِ صالح کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ یونان میں لکھی جانے والی ایلیڈ [1] ہو یا روم

---

(۱) ایلیڈ (ILIAD): ایک مشہور رزمیہ (جنگی) نظم ہے جو یونان کے مشہور شاعر ہومر (HOMER) نے ٹروجن جنگ (TROJAN WAR) میں دس سالہ محاصرے کے دوران پیش آنے والے حالات اور واقعات کے بارے میں لکھی۔ اس طویل نظم میں پندرہ ہزار چھے سو ترانوے اشعار ہیں۔

کی پیرلل لائیوز(۱)، ایرانی شاہنامہ(۲) ہو یا ہندوؤں کی کتابیں مہابھارت(۳)، رامائن(۴)، اور گیتا(۵)، یہ سب کیا ہیں؟ یہ دراصل ان انسانوں کی کہانیاں ہیں اور ان کی تعریفوں کے قصے ہیں، جنھوں نے اس دنیا میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا، دوسرے انسانوں کے لیے اچھے اچھے کام کیے اور دنیا سے شر اور برائی ختم کرنے کے لیے، برے انسانوں سے مقابلے کیے اور ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ دنیا کی بڑی بڑی مذہبی کتابوں پر بھی غور کیجیے۔ تورات(۶)، زبور(۷)، انجیل(۸) اور قرآنِ مجید(۹) میں بیان کیے گئے مضامین، قصے اور مثالیں کیا ہیں؟

یہ دراصل ظالم، شریر اور کافر قوموں اور افراد کی تباہی کی داستانیں بھی ہیں اور نیک، مومن اور عادل افراد کی کامیابی کی مثالیں بھی ہیں، تاکہ انھیں پڑھ کر اور سن کر ظالم لوگ، عادل اور نیک بنیں اور بے ایمان کافر لوگ، ایمان والے، یعنی مومن بن جائیں۔

آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار انسان اس دنیا میں پیدا کیے۔ انسان کی ایک قسم عام انسانوں کی اور دوسری قسم خاص انسانوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ ان کو نیت اور ارادہ بھی عطا فرمایا اسی لیے وہ خیر کے ساتھ ساتھ شر یعنی برائی کی طرف بھی جا سکتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) پیرلل لائیوز (PARALLEL LIVES): رومی اور یونانی مشہور شخصیات کی سوانح عمریوں کا مجموعہ، جسے رومی مصنف پلوٹارک نے لکھا اور ۱۵۱۷ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔

(۲) شاہنامہ: ایک رزمیہ نظم جو ایران کے مشہور شاعر فردوسی نے لکھی۔ یہ دنیا کی سب سے طویل نظم ہے جو ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

(۳) مہابھارت: ہندوؤں کی ایک مشہور تاریخی کتاب جس میں کورو، پانڈو کی جنگِ عظیم کے حالات و واقعات درج ہیں۔

(۴) رامائن: ہندوؤں کے مذہبی رہنما رام چندر جی کی سوانح عمری۔

(۵) گیتا: "مہابھارت" کا ایک حصہ "گیتا" ہے، جس میں معرفت کے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔

(۶، ۷، ۸، ۹) تورات، آسمانی کتاب جو اللہ جل شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، زبور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور قرآنِ مجید حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔

انسانوں کو ''صراطِ مستقیم'' یعنی سیدھے راستے پر رکھنے کے لیے انسانوں کی تربیت اور ہدایت کے لیے اس دنیا میں اپنے خاص انسان بھی بھیجے، جنھیں ہم نبی اور رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لیے مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام روانہ فرمائے تاکہ وہ اپنی اپنی قوموں کے سامنے اپنی بہترین زندگی کو نمونے، مثال اور ماڈل کے طور پر پیش کریں، اور ان کی پوری قوم یا اس قوم کے نیکی طلب کرنے والے افراد فلاح اور کامیابی حاصل کریں اور گھاٹے میں نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں اور رسولوں کے سب سے آخر میں آنحضرت ﷺ کو ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر بھیجا، تاکہ وہ تمام عالموں کے لیے دنیا میں اپنی زندگی کا بہترین نمونہ، ہمیشہ کے لیے چھوڑ جائیں اور قیامت تک آنے والے افراد اور مومنین ''رحمۃ للعالمین'' کی زندگی کے نمونے کو اپنائیں، آپ کو ہی اپنا لیڈر، سردار اور رہبر سمجھتے، ہوئے زندگی کے ہر ہر معاملے میں آپ کی مثال اپنے سامنے رکھیں اور زندگی میں آپ کے بتائے ہوئے مثالی راستے پر چلیں۔

اللہ تعالیٰ کے خاص انسانوں یعنی نبیوں اور رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ انسانوں میں بھی ہمیں ہزاروں اور لاکھوں ایسے نمایاں اور مشہور انسان نظر آتے ہیں، جنھوں نے آنے والے انسانوں کے لیے اپنی اپنی زندگیاں نمونے کے طور پر پیش کی ہیں۔ آیئے، ذرا ان کی زندگیوں کے نمونوں پر بھی نظر ڈالتے ہیں کہ ان کی زندگیوں کے نمونوں کی کیا اہمیت اور حیثیت تھی اور انھوں نے انسانوں کو کتنا فائدہ پہنچایا اور انسانوں کی کیا تربیت کی؟ ان ہزاروں لاکھوں مشہور انسانوں کے نام اور کام کتابوں میں محفوظ ہیں۔

ان میں کارتھیج (۱) کا ہنی بال (۲) بھی ہے، یونان کا سکندرِ اعظم (۳) بھی، روم کا حکمران

---

(۱) کارتھیج: تیونس کا ایک شہر۔

(۲) ہنی بال: تیونس کا ایک جنگجو جس نے اپنی فتوحات سے اٹلی تک اپنے قدم جما لیے تھے۔

(۳) سکندرِ اعظم: قدیم یونان کا بادشاہ، جو مشہور فلسفی اور حکیم ارسطو کا شاگرد تھا۔ پوری دنیا فتح (جاری......)

سیزر(۱) بھی ہے' ایران کا عظیم بادشاہ دارا(۲) اور یورپ کا حکمران نپولین(۳) بھی شامل ہے۔

دوسری طرف دنیا کے بڑے بڑے فلاسفروں اور داناؤں کی فہرست پر نگاہ دوڑائیے۔ ان میں سُقراط(۴)' افلاطون(۵)' ارسطو(۶)' دیوجانس(۷) اور اسپنسر(۸) جیسے فلاسفر اور دانا بھی موجود ہیں۔

اپنی طاقت' بادشاہت اور سرداری پر تکبر کرنے والے نمرود(۹)' فرعون(۱۰)' ابوجہل(۱۱) اور

(......گزشتہ سے پیوستہ)

کرنے کا خواب لے کر نکلا۔ تیس (۳۰) سال کی عمر تک اس نے یونان' مصر اور شمال مغربی ہندوستان تک قبضہ کرلیا۔ تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں تقریباً آدھی دنیا فتح کر کے ملیریا کی بیماری کے سبب وفات پائی۔

(۱) سیزر: پورا نام جولیس سیزر۔ رومی فوج کا زبردست جنرل اور سیاست دان تھا۔ اس نے جنگوں کے ذریعے رومی سلطنت کا دائرہ انگلینڈ تک پھیلا دیا تھا۔

(۲) دارا: ایران کا مشہور بادشاہ جسے سکندرِ اعظم نے شکست دے کر ایران پر قبضہ کیا تھا۔

(۳) نپولین: نپولین بونا پارٹ' فرانس کا فوجی اور سیاسی لیڈر تھا۔ ساٹھ (۶۰) جنگیں لڑیں اور پورے یورپ پر کنٹرول حاصل کیا۔

(۴) سُقراط: یونان کا مشہور فلسفی' یونانی دیوتاؤں کا منکر تھا۔ اس پر الزام تھا کہ دینی معاملات میں دخل اندازی کرنے کے علاوہ' نوجوان نسل کے عقائد خراب کر رہا ہے۔ گرفتار ہوا اور سزا کے طور پر اسے زہر کا پیالہ پینا پڑا۔

(۵) افلاطون: قدیم یونان کا مشہور فلسفی اور حکیم' سُقراط کا شاگرد اور بہت بڑا حساب دان' جس نے سب سے پہلا تعلیمی ادارہ بنا کر اپنے شاگردوں کو فلسفہ اور سائنس پڑھائی۔ ارسطو اس کا مشہور شاگرد تھا۔

(۶) ارسطو: افلاطون کا شاگرد' سکندرِ اعظم کا استاذ' مشہور فلسفی' حکیم' سائنسدان جو طبیعیات' حیوانیات' جمالیات' موسیقی' شاعری اور سیاست کا بھی ماہر تھا۔

(۷) دیوجانس: یونانی عالم اور فلسفی۔

(۸) اسپنسر: ہربرٹ اسپنسر' برطانیہ کا مشہور فلاسفر' ماہرِ طبیعیات اور ماہرِ انسانیات' جو ۱۸۲۰ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۰۳ء میں وفات پائی۔

(۹) نمرود: نینوا' عراق کا بادشاہ' جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو میلوں تک لگائی گئی آگ (جاری......)

ابولہب(۱) بھی موجود ہیں اور اپنے مال و دولت اور خزانے پر فخر و ناز کرنے والے قارون(۲) کا انجام بھی ہمارے سامنے موجود ہے کہ کس طرح وہ اپنے عظیم خزانے کے ساتھ زمین میں دھنس گیا۔ غرض دنیا کی اس سٹیج پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہمارے سامنے ہیں، لیکن سوچنے کی اصل بات تو یہ ہے کہ ان تمام انسانوں میں سے کس کی زندگی، ہم سب انسانوں کی ہدایت، فلاح اور بھلائی کے لیے بہترین نمونہ بن سکتی ہے؟ ہم تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ بڑے بڑے فاتح اور سپہ سالاروں نے اپنی تلواروں کی نوک سے کبھی ایک ملک کو اجاڑا اور دوسرے کو بسایا۔ انھوں نے ملکوں اور سلطنتوں کے امن و امان کو یقیناً درست کیا ہوگا، لیکن کیا آپ نے کبھی سوچا کہ ان عظیم شخصیتوں نے عام انسانوں کے لیے کیا کچھ کیا؟ عام انسانوں کے دلوں کو خوش کرنے اور روحوں کو آباد کرنے کے لیے انھوں نے کیا کارنامے سرانجام دیے؟ انسانوں کے اندر موجود برائی دُور کرنے اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر فساد کرنے والے غلط وہموں اور خیالوں کی درستی کا کوئی نمونہ پیش کیا؟ ہمارے دلوں کی ناپاکی اور زنگ مٹانے کے لیے، ہماری مایوسیوں اور ناامیدیوں کو ختم کرنے کے لیے، ہمارے اخلاق اور اعمال کو بہتر بنانے کے

(......گزشتہ سے پیوستہ)

میں ڈلوا کر ہلاک کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے، یہ دہکتی ہوئی آگ پھولوں میں تبدیل ہو کر گل زار بن گئی۔

(۱۰) فرعون: مصر کا بادشاہ جو خدائی کا دعوے دار تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے نیل میں اپنی فوج سمیت غرق ہو گیا تھا۔

(۱۱) ابوجہل: ایک عرب سردار جو نبی کریم ﷺ کا رشتے کا چچا اور آپ کا سخت ترین دشمن تھا۔ اس کا نام عمرو بن ہشام تھا لیکن اسلام دشمنی اور جہالت کی بنا پر حضور ﷺ نے اسے ابوجہل کا لقب دیا تھا۔

(۱) ابولہب: قریشی سردار، حضرت محمد ﷺ کا سگا چچا۔ یہ اور اس کی بیوی اُمِ جمیل، آپ ﷺ کی شدید دشمن تھی۔ قرآنِ مجید کی سُورۃ اللھب، اس کے اور اس کی بیوی کے عبرت ناک انجام کے بارے میں نازل ہوئی۔

(۲) قارون: بنی اسرائیل کا ایک انتہائی مال دار لیکن کنجوس شخص جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اسے دولت سمیت زمین میں ہمیشہ کے لیے دھنسا دیا۔

لیے ان مشہور شخصیتوں نے کیا کوئی بہترین علاج بتایا؟ دیکھیے ارسطو کتنا بڑا فلاسفر تھا۔ اس نے فلسفۂ اخلاق کی بنیاد ڈالی۔ اس کے اخلاقی مسائل پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں، بڑی بڑی یونی ورسٹیوں میں بہترین لیکچر دیے جاتے ہیں، لیکن سچ بتایئے کہ ارسطو کے فلسفۂ اخلاق کو پڑھ کر کتنے افراد سیدھے راستے پر آئے۔ بڑے بڑے لائق استاد اور پروفیسر، کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں اخلاقیات کا علم پڑھاتے ہیں، لیکن ان کا علم ان کالجوں اور یونی ورسٹیوں سے آگے نہیں بڑھا، کیونکہ وہ جو کچھ پڑھاتے ہیں، اس اخلاق کا اثر ان کی ذات، ان کی شخصیت اور کردار میں دکھائی نہیں دیتا۔ ان کی عملی زندگی اخلاقیات سے بالکل خالی ہے، اسی لیے لوگ ان سے متاثر نہیں ہوتے اور انسان صرف کانوں سے اچھی اچھی باتیں سن کر نہیں بدلتے، بلکہ آنکھوں سے عملی طور پر دیکھ کر اس کا اثر لیتے ہیں اور اپنی اصلاح کرتے ہیں۔

اس دنیا میں بڑے بڑے قانون دان بھی پیدا ہوئے، جنھوں نے انسانیت کی ہدایت اور بھلائی کے لیے بڑے بڑے قانون بنائے، مثلاً ایک بہت بڑا یونانی قانون دان سولن تھا۔ اس کے بنائے ہوئے قانون کچھ عرصہ چل سکے۔ لوگوں کو اس کے بنائے ہوئے قوانین سے دل کی صفائی کا راز نہ مل سکا۔ سولن کے بعد اگلے دور کے حاکموں اور عدالتوں نے اس کے قانون کے اصولوں کو توڑ ڈالا اور اپنی مرضی اور اپنے فائدوں کے لیے نئے قوانین بنا لیے۔ آج اس ماڈرن دور میں بھی دیکھ لیجیے، بڑی بڑی حکومتیں اور ان کی قانون بنانے والی اسمبلیاں، آج جو کچھ بناتی ہیں، کل اس کو مٹا دیتی ہیں، کیونکہ یہ سب کچھ انسانوں کی بھلائی کے لیے نہیں ہوتا، انسانوں کی خاطر نہیں ہوتا، بلکہ اپنی حکومتوں اور اپنے فائدوں کے لیے ہوتا ہے۔

اس دنیا میں بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنی میٹھی شاعری سے ہزاروں دلوں کو لبھایا۔ ہومر جیسے بڑے شاعر سے لے کر آج تک سینکڑوں شاعر پیدا ہوئے، لیکن یہ انسانوں کی زندگی کی مشکلات دور کرنے کے لیے کوئی صحیح اور بہترین مشورہ نہ دے سکے، کیونکہ یہ خیالی دنیا کے لوگ ہوتے ہیں اور خیالات کی دنیا میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ چونکہ ان کی شخصیت اور کردار ایمان اور عملِ صالح

سے خالی ہوتا ہے' اس لیے لوگ ان کی شاعری سے لطف اندوز تو ہوتے ہیں' لیکن ہدایت حاصل نہیں کرتے اور اپنی اصلاح نہیں کر پاتے۔

قرآنِ پاک نے بھی شاعروں کی شاعری کے بے اثر ہونے کی وجہ بتائی ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ○ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○ (۱)

ترجمہ: ''رہے شاعر لوگ' تو ان کے پیچھے تو بے راہ لوگ چلتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں' ہاں مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں' جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد اُس کا بدلا لیا۔''

دوستو! ہم نے انسانوں کے اعلیٰ طبقوں میں سے بادشاہوں' سپہ سالاروں' فلاسفروں' قانون دانوں اور شاعروں سب کا جائزہ لے لیا' لیکن ان میں سے کوئی بھی طبقہ انسانوں کی ہدایت اور بھلائی کے لیے' نیکی اور دلوں کی صفائی کے لیے' کوئی جامع اور مستقل علاج اور منصوبہ پیش نہ کر سکا۔

غور سے مشاہدہ کیجیے اور سوچیے! اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی' خلوص اور دلوں کی صفائی کا اجالا نظر آتا ہے' جہاں بھی رحم' انصاف' غریبوں کی مدد' یتیموں کی پرورش اور نیکیوں کا سراغ ملتا ہے' یہ کن بزرگوں کی ہدایت اور تعلیم کا نتیجہ ہے؟

یہ صرف اُن عظیم ترین انسانوں کی تعلیم اور ہدایت کا نتیجہ ہے' جنھیں ہم انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبارک اور مقدس ناموں سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ اتنا رحیم اور رحمٰن ہے کہ اس نے اپنے پیارے بندوں کو سیدھے راستے پر رکھنے' خرابیوں اور گناہوں سے بچانے اور

(۱): سورۃ الشعراء: آیت نمبر ۲۲۴ تا ۲۲۷۔

ایک بہترین اور آئیڈیل زندگی گزارنے کے لیے ہر زمانے اور ہر قوم میں نبی اور رسول بھیجے۔ خود قرآنِ مجید میں اللہ پاک اس بات کا اقرار کرتے ہیں:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ O (۱)

ترجمہ: ''کوئی قوم نہیں جس میں کوئی (انسانوں کو) ہوشیار کرنے والا نہ گزرا ہو۔''

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ O (۲)

ترجمہ: ''اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہوا ہے۔''

آج ہر قوم اور ملک میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی برکتوں کا نور پھیلا ہوا ہے اور ہر طرف انھی کی ہدایتوں کی پکار سنائی دیتی ہے۔ افریقہ کے وحشی قبیلوں سے لے کر یورپ کے ماڈرن اور مہذب انسان، سب کے دلوں کی صفائی، نبیوں اور رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے ذریعے ہی ہو رہی ہے۔ تمام انسانوں کے مختلف گروہوں اور طبقوں میں سب سے اونچا طبقہ نبیوں اور رسولوں کا ہے، جو بادشاہوں کی طرح انسانوں کے جسموں پر نہیں، بلکہ انسانوں کے دلوں اور روحوں پر حکومت کرتے ہیں۔ مصر کے فرعون (۳)، روم کے قیصر (۴) اور ایران کے کسریٰ (۵) کی حکمرانیاں اور مکّہ کے ابوجہل اور ابولہب کی سرداریاں مٹ گئیں، لیکن غور فرمائیے کہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور حکمرانی آج بھی بدستور قائم ہے۔

کیا آپ نے کبھی غور فرمایا کہ اس دنیا میں جتنے بھی انسان آئے، ان میں سے صرف اور صرف انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طبقہ ایسا ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ کے سچے پیغام کو لے کر اس دنیا میں آئے اور دنیا کو نیک تعلیم اور ہدایت دے کر اپنے بعد بھی، لوگوں کے لیے چلنے کا ایک راستہ بنا کر

(۱): سورۃ فاطر: آیت نمبر ۲۴۔

(۲): سورۃ الرعد: آیت نمبر ۷۔

(۳، ۴، ۵): فرعون مصر کا، قیصر روم کا اور کسریٰ ایران کا بادشاہ تھا۔

چھوڑ گئے۔ ان نبیوں کی تعلیمات سے کوئی ایک طبقہ نہیں، بلکہ ہر طرح کے انسان یعنی بادشاہ، رعایا، امیر، غریب، عالم، جاہل سب برابر فیض اٹھا کر اس دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کی کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری اور مکمل ترین کتاب قرآنِ مجید میں بہت سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا:

وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَ اجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (۱)

ترجمہ: ”یہ ہماری وہ کامیاب دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں، درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بے شک تمہارے رب کی حکمت بھی بڑی ہے، علم بھی کامل ہے۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عطا کیا۔ (ان میں سے) ہر

(۱) سورۃ الانعام: آیت نمبر ۸۳ تا ۹۰۔

ایک کو ہم نے ہدایت دی‘ اور نوح کو ہم نے پہلے ہی ہدایت دی تھی اور اُن کی اولاد میں سے داؤد ‘ سلیمان ‘ ایوب ‘ یوسف ‘ موسیٰ اور ہارون کو بھی۔ اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ اور زکریا ‘ یحییٰ ‘ عیسیٰ اور الیاس کو (بھی ہدایت عطا فرمائی)۔ یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ نیز اسمٰعیل ‘ یسع ‘ یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے دنیا جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اوران کے باپ دادوں‘ ان کی اولادوں اوران کے بھائیوں میں سے بھی بہت سے لوگوں کو۔ ہم نے ان سب کو منتخب کر کے راہِ راست تک پہنچادیا تھا۔ یہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے اور اگر وہ شرک کرنے لگتے تو ان کے سارے (نیک) اعمال اکارت ہو جاتے۔ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب‘ حکمت اور نبوت عطا کی۔ اب اگر یہ (عرب کے) لوگ اس (نبوت) کا انکار کریں تو (کچھ پروانہ کرو‘ کیونکہ) اس کے ماننے کے لیے ہم نے ایسے لوگ مقرر کردیے ہیں جو اس کے منکر نہیں۔ یہ لوگ (جن کا ذکر اوپر ہوا) وہ تھے‘ جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی) ہدایت دی تھی‘ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم بھی انھی کے راستے پر چلو۔‘‘

ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں بے شمار ایسے انسان بھی آئے‘ جنھوں نے کئی انداز سے انسانیت کی خدمت کی۔ بے شمار حکیم ڈاکٹر آئے‘ جنھوں نے بیماریوں کے نسخے اور علاج تجویز کیے۔ ہنرمندوں اور فنکاروں نے بڑی بڑی عمارتیں بنانے‘ دریاؤں اور نہروں پر بند باندھنے کے ہنر اور فن پیدا کیے۔ کسی نے بجلی دریافت کی‘ تو کسی نے ٹیلی فون۔ کسی نے ریڈار بنایا‘ تو کسی نے کمپیوٹر۔ ہم ان سب انسانوں کے شکر گزار ہیں کہ ان کے ہُنر اور فن کی بدولت‘ ہمارے لیے زندگی میں بہت سے فائدے اور آسانیاں پیدا ہو رہی ہیں‘ دنیا ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے‘ لیکن سب سے زیادہ ممنون ہم

ان بزرگوں کے ہیں، جو سینکڑوں تکلیفیں، دکھ اور مخالفتیں برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کی بسائی ہوئی تمام آبادیوں اور بستیوں میں پہنچے اور جنھوں نے تعلیم و ہدایت کے چراغ روشن کر کے، جہالت اور گناہوں کے اندھیروں کو دور کیا۔ انھی بزرگوں نے بندے اور اللہ کا رشتہ مضبوط کیا، مخلوق کو خالق سے جوڑا اور انسانوں کو ان کے اصل مالک اور خالق کی پہچان کروائی۔

غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ اس دنیا کی اور انسانوں کی ظاہری اور مادی ترقی تو ہو رہی تھی، لیکن ہماری اندرونی دنیا غیر آباد تھی، انسانی روحیں پیاسی تھیں۔ ان کی پیاس کو نبیوں اور رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بجھایا اور روحوں کو شاداب کیا۔ ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے اور علاج تجویز کیے اور ان پر عمل بھی کروایا۔ انسانوں کے اخلاق اور کردار و سیرت میں جہاں جہاں کمی تھی، وہاں وہاں نیکی اور بھلائی کے ذریعے انسانی زندگی کی بدصورتی کو دُور کر کے توازن اور خوبصورتی پیدا کی۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر انسانی فطرت، نبیوں اور پیغمبروں کی تعلیمات سے واقف نہ ہوتی یا ان پر عمل نہ کرتی، تو کبھی بھی کامل درجے تک نہ پہنچتی، اس لیے ان پاک بزرگوں کے احسانات ہم انسانوں پر سب سے زیادہ ہیں۔

ہر انسان پر (خواہ وہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتا ہو) لازم ہے کہ وہ تمام نبیوں اور رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے شکر گزاری کا اظہار کرے۔ ہمارے دینِ اسلام کی زبان، میں اس شکر گزاری کا نام صلوٰۃ و سلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جب بھی انبیائے کرام کے مقدس ناموں کو پکارتے ہیں، تو ان کے ناموں کے ساتھ صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیۡھِمۡ وَسَلِّمۡ۔ تمام انبیاء اور رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے اپنے وقت پر آئے۔ انھوں نے اللہ کی بتائی ہوئی تعلیمات سے اللہ کے بندوں کو نیک اور پاکیزہ بنایا۔ ان کی سیرت اور کردار درست کیے، انھیں بہترین انسان بنایا اور پھر اس دنیا سے چلے گئے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ یہاں کوئی بھی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے اور جو اس دنیا میں آیا ہے، اُسے ایک دن موت کا مزہ چکھ کر، اس دنیا سے واپس چلے جانا ہے۔

اس تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ صرف اور صرف انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اُن

کے نقشِ قدم پر چلنے والی ہستیوں کی تاریخیں اور سیرتیں ہی، ہمارے لیے سب سے زیادہ کارآمد نمونے بن سکتی ہیں۔ یہی ہستیاں ہمارے لیے مفید ثابت ہوسکتی ہیں، کیونکہ ہماری زندگیوں کے ہر مسئلے اور پریشانی کا حل، انھی کی سیرتوں میں موجود ہے، لہٰذا ان بزرگوں کی سیرتوں کی حفاظت، ہمارا سب سے بڑا فرض ہے۔ ان بزرگوں کی تعلیمات اور سیرتوں کو محفوظ کرنے کا طریقہ صرف یہ نہیں کہ ہم انھیں کتابوں اور باتوں تک ہی محدود رکھیں، بلکہ بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم بھی اپنی سیرتوں اور کرداروں کو ان مقدس ہستیوں کے نمونے پر ڈھالیں اور اِسی ''صراطِ مستقیم'' پر چلیں، جن پر چل کر انھوں نے اونچے اور اعلیٰ درجے حاصل کیے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْھِمْ وَ سَلِّمْ

سببِ افضلیتِ اُمّتِ محمدیہ

لَمَّا دَعَی اللّٰهُ دَاعِیْنَا لِطَاعَتِهٖ
بِاَکْرَمِ الرُّسُلِ کُنَّا اَکْرَمَ الْاُمَمِ

(من القصیدہ)

ترجمہ: خداوند تعالیٰ نے ہمارے حضرت (محمد رسول اللہ ﷺ) کو جو ہم کو اطاعتِ خداوندی کی طرف بلانے والے ہیں ''افضل واکرم الرسل'' کہہ کر پکارا، تو ہم اس وجہ سے سب اُمّتوں سے افضل ہوئے۔ کیوں کہ رسول کا افضل ہونا اُمّت کی افضلیت کا حقیقی سبب ہے۔ (نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ، چونتیسویں فصل)

یَا رَبِّ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

دوسرا خطبہ

تمام انبیاءاور رسولوں علیھم الصلوٰۃ والسلام پر ہمارا ایمان ہے' لیکن قیامت تک بہترین' عالمگیر اور دائمی (ہمیشہ رہنے والی) سیرت' صرف اور صرف نبیِ کریم حضرت محمد ﷺ کی سیرت ہے

گزشتہ صفحات میں ہم نے نہایت تفصیل سے یہ پڑھا کہ اس دنیا میں بے شمار انسانی طبقے ہیں اور جن مختلف انسانی طبقوں نے ہم پر احسان کیے' وہ سب کے سب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں' لیکن ان میں سے جس طبقے نے ہم انسانوں پر سب سے زیادہ احسان کیا ہے' وہ اُن بزرگوں کا طبقہ ہے' جنھیں ہم انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں۔ ان تمام انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں' اپنی اپنی قوموں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور انھیں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا شعور دلایا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اپنی قوم کے لوگوں کو' اُن کی خامیوں اور بُرائیوں کا احساس دلایا اور انھیں نیک اور پاک زندگی کا وہ راستہ دکھایا' جسے ہم ''صراطِ مستقیم'' کہتے ہیں۔ ان تمام انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنی ذات کو بہترین مثال اور نمونے (ماڈل) کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ ان تمام انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی سیرتیں اور ان کے ذاتی کردار اعلیٰ ترین خوبیوں اور بہترین اخلاق کا نمونہ تھے تا کہ لوگ انھیں سامنے رکھ کر زندگی کے ہر معاملے میں اُن پر عمل کریں۔

آج بھی ہم ان تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے اکثر کو ان کی بے شمار خوبیوں کے علاوہ کسی نہ کسی خاص خوبی کی وجہ سے یاد رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایثار اور قربانی کے حوالے سے بھی یاد رکھتے ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید پھیلانے کے لیے دن رات محنت بھی کی اور اللہ کے نبی ہونے کا پورا پورا حق بھی ادا کیا۔ اتنا حق ادا کیا کہ انھیں خلیل اللہ یعنی ''اللہ کا دوست'' کہا گیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت کا امتحان لینے کے لیے انھیں سب سے پیاری چیز، یعنی اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قربان کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس ایثار کے لیے تیار ہو گئے اور دوسری طرف ہم حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جان کی قربانی کے حوالے سے یاد رکھتے ہیں کہ جب ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے بارے میں بتایا، تو وہ فوراً اپنے والد کے ہاتھوں ذبح ہونے پر تیار ہو گئے۔ اسی طرح ہم حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی پاک دامنی کے حوالے سے یاد رکھتے ہیں اور حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان کے کردار کی بلندی کے حوالے سے مثال بناتے ہیں کہ انھوں نے گناہ کی دعوت دینے والی ایک عورت کی بات نہ مانی، تو اس عورت نے سازش کر کے بادشاہ کے دربار میں حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گردن کٹوا دی۔ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہم صبر کے لیے مثال بناتے ہیں کہ انتہائی خوفناک بیماری کے عالم میں بھی انھوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اللہ تعالیٰ سے اپنی اس بیماری اور تکلیف کی کوئی شکایت نہ کی۔

ان تمام مثالوں کا مقصد آپ کو صرف یہ بتانا اور سمجھانا ہے کہ دنیا میں جب انسان خیر کی بجائے شر میں مبتلا تھے اور ہر طرف گناہوں اور برائیوں کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا، تو یہی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے، جنھوں نے زندگی کے اندھیروں اور مشکل راستوں میں، اپنی سیرت اور کردار کے نمونوں سے، روشنی کے مینار قائم کر دیے تاکہ ان کی روشنی سے انسانوں کو صحیح راستے یعنی ''صراطِ مستقیم'' کا پتہ لگ سکے، لیکن اصل ضرورت ایک ایسے بڑے مینار کی تھی، جو زندگی کے پیچیدہ اور اندھیرے راستے

کو اِس سِرے سے اُس سِرے تک، یعنی زندگی کے پورے راستے کو اپنی مکمل ہدایات اور مکمل عملی مثالوں سے، اس طرح روشن کر دے کہ کہیں کسی کمی کا احساس نہ ہو، یعنی وہ سیرت کامل ہو اور تمام انسانوں کے لیے ایک مکمل ''گائیڈ بک''(۱) کا کام دے۔

ابھی ہم نے یہ پڑھا کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے اپنے زمانے میں، تھوڑے تھوڑے عرصے کے لیے کسی خاص علاقے میں، صرف اپنی اپنی قوم کی ہدایت کے لیے، اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتے رہے اور دنیا سے رخصت ہوتے رہے۔ پھر ہر نبی اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف اپنی قوم کو ہدایت کا سبق دیا اور ان کی تعلیمات بھی صرف اپنی قوم کے لیے وقف تھیں۔ چونکہ ہر قوم کے لیے خاص قسم کی تعلیمات اور ہدایات کی ضرورت تھی، اسی لیے ہر قوم کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، ویسی ہی شریعت لے کر آئے اور وہی تعلیم و تربیت دی، جس کی اس قوم کے لوگوں کو ضرورت تھی۔ مثال کے طور پر مریضوں کو جس قسم کی بیماریاں ہوں، ڈاکٹر ویسے ہی نسخے لکھ کر دیتا ہے اور وہی دوائیاں استعمال کرواتا ہے، جن کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ مریضوں کی وہ بیماریاں جڑ سے مکمل طور پر ختم ہو جائیں۔ اسی طرح جب لمبے عرصے تک انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اپنی شریعت کے مطابق، اپنی اپنی قوم کی خاص خاص روحانی بیماریوں کے نسخے، علاج اور پرہیز کے طریقے بتائے، انھیں اس مادی دنیا میں اور معاشرے میں بہترین زندگی گزارنے کے طریقے بھی سکھائے، ان کی اصلاح بھی کی، لیکن اصل میں ضرورت اس بات کی تھی کہ اب کوئی ایسا مکمل نسخہ ہو جس میں پوری دنیا کے انسانوں کے لیے، خواہ وہ کسی ملک اور قوم سے تعلق رکھتے ہوں، دنیا کے کسی بھی حصے میں رہتے ہوں، کسی بھی رنگ، نسل اور قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں، ان کی ہر بیماری کا مکمل علاج موجود ہو، اس نسخے میں کسی کمی کا احساس نہ ہو اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے یہی ایک علاج اور نسخہ کام آتا رہے اور اس نسخے کے ذریعے علاج کرنے والا ڈاکٹر بھی ایسا کامل ہو کہ ہم کہ سکیں کہ یہ تمام ڈاکٹروں میں، سب سے بڑا اور افضل ڈاکٹر ہے۔ ایسا ڈاکٹر نہ کبھی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی آئندہ پیدا ہوگا۔ اس کے لیے اللہ جل شانہٗ نے

(۱) گائیڈ بُک (Guide Book): رہنمائی کرنے والی کتاب۔

تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجنے کے بعد سب سے آخر میں ایسے رسول کو اس دنیا میں بھیجا کہ جو اس کائنات کے افضل ترین انسان بھی ہیں اور افضل ترین نبی بھی ہیں۔

پھر ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے افضل ترین اور آخری نبی حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ایک ہدایت نامہ، یعنی ایک آسمانی کتاب عطا فرمائی، جو قرآنِ مجید ہے۔ اس لحاظ سے قرآنِ مجید ایک مکمل ''گائیڈ بک'' یعنی ہدایت نامہ ہے اور چونکہ یہ ہدایت نامہ آخری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوا، اس لحاظ سے قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسانوں کی اصلاح اور ہدایت کے لیے آخری کتاب ہے۔ اس کے بعد قیامت تک کوئی اور کتاب نہیں آئے گی، اس لیے قرآنِ مجید ہر لحاظ سے ایک مکمل ترین کتاب ہے، جس میں کوئی کمی نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے، قیامت تک پیش آنے والے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔

دنیا میں چار بڑی مذہبی کتابوں کا نام لیا جاتا ہے یعنی تورات، زبور، انجیل اور قرآنِ مجید۔ تورات، زبور اور انجیل اب اصل حالت میں دستیاب نہیں ہیں، کیونکہ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کی تعلیمات کو لوگوں نے بدل دیا ہے۔ کہیں کمی کر دی ہے اور کہیں اضافے کر دیے ہیں۔ صرف آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی آخری کتاب قرآنِ مجید ہی اللہ تعالیٰ کی ایسی واحد کتاب ہے کہ تقریباً ساڑھے چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی، اس کے کسی حرف، کسی لفظ، یہاں تک کہ کسی زبر، زیر اور پیش میں بھی کوئی فرق نہیں آیا اور فرق آتا بھی کیوں کر، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ لینے کا اعلان خود قرآنِ مجید میں کیا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○ (۱)

ترجمہ: ''یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

یہ کتاب چونکہ قیامت تک انسانوں کے لیے ایک مکمل ''گائیڈ بک'' ہے، اس لیے اس میں

(۱): سورۃ الحجر: آیت نمبر ۹۔

کسی قسم کی تبدیلی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' لہٰذا قرآنِ مجید قیامت تک اسی مکمل صورت میں رہے گا' جس صورت میں اسے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا تھا۔

اسی قرآنِ مجید میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے افضل ترین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف' ان کا مقام اور درجہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا O
وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا O[1]

ترجمہ: "اے نبی! بے شک ہم نے تمھیں ایسا بنا کر بھیجا ہے کہ تم گواہی دینے والے' خوش خبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے ہو۔ اور اللہ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے اور روشنی پھیلانے والے چراغ ہو۔"

قرآنِ مجید کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری اور افضل ترین نبیِ کریم ﷺ کو ان کی خاص خوبیوں کے حوالے سے مخاطب کیا ہے:

شَاھِدًا گواہی دینے والا: یعنی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی تعلیم و ہدایت کے "شاہد" تھے۔

مُبَشِّرًا خوش خبری سنانے والا: آپ ﷺ نیک لوگوں کو فلاح اور سعادت کی خوش خبری سنانے والے "مبشر" ہیں۔

نَذِیْرًا ہوشیار اور بیدار کرنے والا: آپ ﷺ اُن انسانوں کو' جو ابھی تک غفلت میں ہیں اور ہوش میں نہیں ہیں' انھیں ہوشیار کرنے اور بیدار کرنے والے "نذیر" ہیں۔

دَاعِیًا اللہ کے لیے پکارنے والا: آپ ﷺ بھٹکنے والے انسانوں کو اللہ کی

(۱): سورۃ الاحزاب: آیت نمبر ۴۵، ۴۶۔

طرف پکارنے والے ''داعی'' ہیں۔

سِرَاجًا مُّنِيرًا روشن کرنے والا چراغ: یعنی آپ ﷺ کی ذات اور آپ کی زندگی ایسی روشنی اور نور ہے، جو ہر انسان کی ذات کی اور دنیا کی تاریکیوں کو دور کرتی ہے، اس لیے آپ ''سِرَاجًا مُّنِيرًا'' ہیں۔

یہاں آپ اس حقیقت پر غور فرمائیے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ کا ہر پیغمبر اللہ تعالیٰ کا شاھد، داعی، مبشّر اور نذیر بن کر اس دنیا میں آیا لیکن یہ تمام خوبیاں اور صفتیں تمام انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں عملی طور پر ایک جیسی نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں۔ بہت سے انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام ایسے تھے جو خصوصی طور پر شاھد ہوئے۔ مثال کے طور پر حضرت یعقوب، حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیھم الصلوٰۃ والسلام۔ بہت سے ایسے گزرے ہیں، جن کا خاص وصف اور پہچان یہ تھی کہ وہ نذیر یعنی ہوشیار کرنے اور بیدار کرنے والے تھے، مثلاً حضرت نوح، حضرت موسیٰ، حضرت ہود اور حضرت شعیب علیھم الصلوٰۃ والسلام۔ ان کے علاوہ حضرت یوسف اور حضرت یونس علیھم الصلوٰۃ والسلام کی نمایاں ترین خوبی، حق کی طرف بلانے والے ''داعی'' (دعوت دینے والے) کی تھی، لیکن غور فرمائیے کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ایسی ہے کہ وہ شاھد، مبشّر، نذیر، داعی اور سراجِ منیر سبھی کچھ ہیں۔ ان کی سیرت اور کردار میں، ایک ہی وقت میں یہ تمام خوبیاں عملی طور پر نمایاں دکھائی دیتی ہیں اور یہ اسی لیے ہوا کہ آپ ﷺ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے، جس کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ ایسی شریعت دے کر بھیجے گئے، جو ہر طرح سے کامل تھی، جس میں کوئی ایسی کمی نہ تھی، جسے مکمل کرنے کے لیے پھر کسی دوسرے نبی کو آنا پڑے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیم، دائمی وجود رکھنے والی ہے، یعنی اس تعلیم کو قیامت تک رہنا ہے، اس لیے آپ ﷺ کی ذاتِ پاک کو بھی بے شمار بہترین اور کامل خوبیوں سے سجا کر اس دنیا میں بھیجا گیا۔ اس لحاظ سے یہ حقیقت بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ آپ کی سیرت اور کردار

بھی دائمی یعنی ہمیشہ کے لیے بہترین نمونہ اور ماڈل بنا رہے گا۔

اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمارا ایمان اسی صورت میں کامل ہوگا اور ہم مسلمان صرف اسی صورت میں کہلائیں گے کہ جب ہم اس حقیقت پر پکا اور کبھی نہ ٹوٹنے والا ایمان رکھیں کہ نبی کریم ﷺ تمام انسانوں میں سے بہترین انسان اور تمام نبیوں میں سے بہترین نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے اب کوئی نئی شریعت، نئی کتاب اور نیا دین نہیں آئے گا۔ اس بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی حجۃ الوداع(۱) کے موقع پر یہ آیت نازل فرما کر صاف صاف اعلان فرما دیا کہ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ(۲) (آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا)، جب دین مکمل ہوگیا تو گویا آئندہ کوئی نیا دین نہیں آئے گا اور جب نیا دین نہیں آئے گا تو کوئی نیا نبی بھی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آپ ﷺ کو ''خاتم النبیّین'' کہا جاتا ہے، اس لیے یہ بھی ثابت ہو چکا کہ قیامت کے دن تک جو سیرت سب کے لیے قابلِ عمل ہے، وہ صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کی زندگی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت ہی ایک آئیڈیل سیرت ہے۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی صفات اور کون سی وجوہات ہیں، جن کی بنیاد پر تمام نبیوں کے مقابلے میں صرف اور صرف نبیِ اکرم ﷺ کی ذاتِ پاک ہی آئیڈیل سیرت بننے کی مستحق ہے۔ آیئے! اس اہم سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے ہم ایک تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

دراصل بہترین اور آئیڈیل سیرت کے لیے چار شرطیں رکھی گئی ہیں:

۱ تاریخیّت ۲ کاملیّت ۳ جامعیّت ۴ عملیّت

ان چاروں شرطوں کے مطابق ہم اگلے صفحات میں خاتم النبیّین حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ پاک کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہوئے ثابت کریں گے کہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ پاک، کیوں اور کیسے، قیامت تک پوری دنیا کے انسانوں کے لیے ایک بہترین نمونہ اور آئیڈیل سیرت ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ

(۱) حجۃ الوداع: آخری حج جو نبی کریم ﷺ نے ۱۰ ہجری میں ادا فرمایا۔ (۲): سورۃ المائدۃ: آیت نمبر ۳۔

تیسرا خطبہ

نبیِ کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کی ''تاریخیّت''

ایک بہترین اور آئیڈیل سیرت کے لیے جو چار شرائط رکھی گئی ہیں' ان میں سے سے پہلی اور سب سے اہم شرط ''تاریخیّت'' ہے۔

آیئے' آگے بڑھنے سے پہلے ہم یہ طے کرلیں کہ ''تاریخیّت'' کیا ہے؟

تاریخیّت سے مراد یہ ہے کہ ایک کامل اور آئیڈیل انسان کے جو حالاتِ زندگی پیش کیے جائیں' وہ تاریخ کے لحاظ سے اور جس ذریعے اور روایت کے تحت ہم تک پہنچے ہوں' وہ بالکل مستند اور درست ہوں۔ اس آئیڈیل شخص کے حالاتِ زندگی کی حیثیت محض قصے کہانیوں کی نہ ہو۔ ان میں کوئی فرضی اور خیالی باتیں شامل نہ ہوں۔ ایک بہترین اور کامل سیرت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے تمام حصوں پر پختہ یقین قائم ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخی شخصیات اور تاریخی افسانوں کا ہماری طبیعت میں جو گہرا اثر پیدا ہوتا ہے' وہ خالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔ ایک کامل اور آئیڈیل سیرت کا تاریخی ہونا' اس لیے بھی انتہائی ضروری ہے کہ ہم کسی کامل سیرت کو صرف دلچسپی اور مصروفیت کے لیے پیش نہیں کرتے' بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی ذاتی زندگی کو اس نمونے پر ڈھالیں اور اس کی پوری پوری نقل اور پیروی کریں۔ ہم بلاشبہ تمام انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کا دل کی گہرائیوں سے ادب اور احترام کرتے ہیں اور ان سب کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں' کیونکہ یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔

اب غور کیجیے کہ ہر زمانے' ہر ملک اور ہر قوم میں کتنے انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام

تشریف لائے۔ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں تشریف لائے، لیکن اتنی بڑی تعداد میں، آج ہم ان میں سے، کتنوں کے نام جانتے ہیں اور جتنے انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے نام جانتے ہیں، کیا ان کے حالات بھی جانتے ہیں؟

ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کی سب سے زیادہ پرانی قوم ہیں۔ ان کے مذہب میں سینکڑوں دیوتاؤں کے نام ہیں، لیکن ان میں سے کسی کو بھی ''تاریخی'' ہونے کا درجہ اور عزت حاصل نہیں ہے۔ان سینکڑوں کرداروں کے صرف نام ہی نام ہیں۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں مہابھارت اور رامائن میں جو بہترین کردار ہیں، وہ ان کے ''ہیرو'' ہیں، مگر ان سب کی زندگی کے حالات و واقعات کو ہم ''تاریخی'' نہیں کہہ سکتے، کیونکہ ہمیں یقینی طور پر یہ بھی نہیں معلوم کہ کس زمانے، کس دور اور کس صدی کے واقعات ہیں۔ ہندوؤں کے عالم صرف اپنے خیالات اور اندازوں کے مطابق، اپنے ان مذہبی ہیرو اور مقدّس شخصیات کی بات کرتے ہیں، جبکہ یورپ کے تحقیق کرنے والے بڑے بڑے عالم اور تاریخ دان انھیں ''تاریخی شخصیات'' کا درجہ ہی نہیں دیتے اور ان کی زندگی کے واقعات کو صرف فرضی داستانیں سمجھتے ہیں، جو کبھی وجود میں ہی نہیں آئیں۔

اب دیکھیے مجوسی مذہب (۱) ایران کا بہت پرانا مذہب ہے۔ اس مذہب کا بانی زرتشت (۲) تھا۔آج بھی دنیا میں اس کے لاکھوں ماننے والے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کی شخصیت ''تاریخی'' نہیں کہلاتی، اس لیے کہ اس کی پیدائش کا مقام، پیدائش کا سال، اس کی قومیت، خاندان، اس کے مذہبی صحیفے کی اصلیت اور زبان، حتیٰ کہ اس کی وفات کی جگہ تک کے بارے میں، یقینی معلومات موجود نہیں ہیں۔

---

(۱) مجوسی مذہب: ایران اور فارس سے لے کر خراسان اور ترکستان تک پھیلا ہوا تھا۔ کسریٰ کی حکومت اس کی سرپرست تھی۔ مجوسی دو خداؤں یزداں (خیر کا خدا) اور اہرمن (شر کا خدا) پر یقین رکھتے تھے۔ یہ آگ کی پوجا کرتے، مردار کھاتے اور پھوپھی، خالہ، بیٹی اور بہن سے بھی نکاح کیا کرتے تھے۔

(۲) زرتشت: وہ شخص جس نے مجوسی مذہب کی بنیاد ڈالی اور نبوت کا دعویٰ کیا۔

اسی طرح بدھ مذہب (۱) اور جین مذہب (۲) کے بانیوں کے کردار اور ان کی زندگی کے واقعات تاریخ کے پردے میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔ آج ان کے بارے میں کوئی اصلیت باقی نہیں رہی اور تاریخ سے بھی ان کے بارے میں کوئی یقینی بات ثابت نہیں ہوتی۔

اس کے بعد سامی قوم (۳) میں سینکڑوں انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے۔ ان میں سے بے شمار انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام ایسے ہیں، جن کے نام آج ہمیں معلوم بھی نہیں۔ کچھ مشہور انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کے نام اور حالاتِ زندگی کے کچھ حصوں کے بارے میں ہمیں معلومات مل جاتی ہیں، مثلاً حضرت آدم ، حضرت نوح ، حضرت موسیٰ ، حضرت ابراہیم ، حضرت ہود ، حضرت صالح ، حضرت اسحٰق ، حضرت اسمٰعیل ، حضرت یونس ، حضرت یعقوب ، حضرت زکریا ، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیھم الصلوٰۃ والسلام وغیرہ، مگر ان کی سیرتوں کے ضروری حصے ہمیں تاریخ میں کہیں نہیں ملتے۔ بڑی بڑی مذہبی کتابوں، یعنی تورات ، زبور اور انجیل میں انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کے جو حالات اور واقعات ملتے ہیں، اُن پر بھی یقین اس لیے نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کو بھی بدل دیا گیا ہے یا ان میں اضافے کر دیے گئے ہیں۔ اس لیے تورات میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو تفصیل ہمیں ملتی ہے، اس پر بالکل بھروسا اور یقین نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال ہمیں تورات سے معلوم ہوتا ہے، مگر خود وہ تورات جو آج موجود ہے، اس کے بارے میں تاریخی لحاظ سے تحقیق کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ تورات حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینکڑوں سال بعد وجود میں آئی اور جرمن عالموں نے تحقیق کر کے یہ پتہ لگایا ہے کہ موجودہ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے

(۱) بُدھ مذہب: تقریباً پچیس سو (۲۵۰۰) سال پہلے گوتم بُدھ نے بُدھ مذہب کی بنیاد رکھی۔
(۲) جین مذہب: ہندوؤں کا ایک مذہب جس کے پیروکار " ویدوں " (ہندوؤں کی مذہبی کتابیں) کو نہیں مانتے۔
(۳) سامی قوم: حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی قوم۔

میں جو حالاتِ زندگی اور واقعات ملتے ہیں' ان میں ہر واقعے کے متعلق دو مختلف بیانات اور روایات ملتی ہیں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کس بات کو درست اور کس کو غلط سمجھا جائے۔ عیسائیوں کی مذہبی کتاب ''انجیل'' ہے۔ آج عیسائی ایک کی بجائے اُن چار انجیلوں کو مانتے اور اُن پر عمل کرتے ہیں' جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اُن کے حواریوں نے لکھیں اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بات بھی کہاں تک درست ہے اور ان انجیلوں میں لکھی گئیں باتوں میں کتنی حقیقت اور سچائی ہے۔ اب ایسی صورت میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کے واقعات کی ''تاریخی'' حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟

تمام انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی کتابوں کے متعلق تمام حقیقتوں کو جاننے اور جانچنے کے بعد آیئے' اب ہم اپنے آقا نبیِ آخر الزّماں حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ پاک کو ''تاریخیت'' کی شرط پر پرکھتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ ذرا یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ دینِ اسلام میں مسلمانوں نے اپنے پیغمبر کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی' بلکہ ہر اُس چھوٹی سے چھوٹی چیز کی اور ہر اُس شخص کی' جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی نبیِ کریم ﷺ سے تھا' اس طرح حفاظت کی ہے کہ تمام دنیا اس پر حیران ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیِ آخر الزّماں حضرت محمد ﷺ کی ذات اور آپ کی شخصیت سے متعلق چھوٹی بڑی ہر بات کو تاریخی لحاظ سے' اس لیے بھی محفوظ کر دیا تاکہ قیامت تک آپ ﷺ کی پاکیزہ شخصیت تمام انسانوں کے لیے بہترین نمونہ بن کر قائم رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کی سیرت سے متعلق تمام تفصیلات کا تحریری ریکارڈ' آپ کی زندگی میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے اقوال' افعال اور آپ کی زندگی سے متعلق تمام تفصیلات کو جمع کرنے' انھیں ترتیب دینے اور تحریر کرنے کا کام انجام دیا' انھیں راویانِ حدیث' محدّثین یا اربابِ سِیَر (نبیِ کریم ﷺ کی سیرت لکھنے والے لوگ) کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون لوگ تھے' جنھوں نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا کہ اپنے نبیِ کریم ﷺ کے بارے میں ہر چھوٹی بڑی بات' ہر عمل اور ہر تفصیل کو محفوظ کیا۔ یہ عظیم انسان صحابۂ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعینِ کرام اور تبع تابعینِ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اُن مسلمانوں کو کہا جاتا ہے، جو نبیِ کریم ﷺ کے ساتھی تھے۔ ان سب نے چونکہ نبیِ کریم ﷺ کا زمانہ پایا، اپنی آنکھوں سے آپ ﷺ کو دن رات دیکھا، آپ سے تعلیم و تربیت بھی حاصل کی، اس لیے اپنی زندگی کے ہر عمل کو اُسی نمونے اور ماڈل کے مطابق ڈھالا اور اُسی ''صراطِ مستقیم'' پر چلے، جس پر چلنے کی ہدایت آپ ﷺ نے فرمائی تھی۔

تابعین اُن مسلمانوں کو کہا جاتا ہے، جنھوں نے صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح، بذاتِ خود تو نبیِ کریم ﷺ کو نہیں دیکھا، لیکن انھوں نے نبیِ کریم ﷺ کے صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور یوں صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دینِ اسلام سے متعلق، جو تعلیمات اور تربیت نبیِ کریم ﷺ سے حاصل کی، وہ انھوں نے پوری محنت، ایمان داری اور دیانت داری کے ساتھ تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تک پہنچائی۔

تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وہ مسلمان تھے، جنھوں نے تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے ذریعے دینِ اسلام سے مکمل آگاہی حاصل کی اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے بھی، اپنی سیرت اور کردار کو نبیِ کریم ﷺ کی سیرت اور کردار میں ڈھالنے کے لیے، آپ ﷺ کی ایک ایک سنت اور دینِ اسلام کی مکمل تعلیمات کو تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بالکل اسی طرح سیکھا، جس طرح تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سیکھا تھا۔ سینکڑوں مسلمانوں نے اس روایت کو قائم رکھا۔ اس طرح نبیِ کریم ﷺ کی سیرتِ مبارک اور آپ کی ذاتِ مبارک کا ہر عمل، صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعینِ کرام اور تبع تابعینِ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے بعد بہترین نمونے اور ماڈل کے طور پر دوسرے مسلمانوں تک پہنچتا رہا۔ نبیِ کریم ﷺ سے متعلق یہ تمام معلومات سینہ در سینہ، یعنی زبانی طور پر بھی ایک دوسرے تک پہنچائی گئیں اور تحریری طور پر بھی انھیں پوری توجہ، اخلاص، محنت اور ایمان داری کے ساتھ جمع کیا گیا۔ اس طرح ان جمع

کی گئیں روایتوں کا بہت بڑا سرمایہ اور خزانہ محفوظ ہوتا چلا گیا۔

جن اشخاص یعنی ''راویانِ احادیث'' نے اس عظیم ترین اور مقدس ترین سرمائے کو جمع کیا' اُن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔ اُن ایک لاکھ مسلمانوں نے اپنے نبی کریم ﷺ کی ہر بات اور ہر عمل کو جس خلوص' محنت اور محبت سے جمع کیا اور اسے تاریخ کا حصہ بنایا' اسی کی برکت سے آج ایک لاکھ ''راویانِ احادیث'' کے نام بھی نبیِ کریم ﷺ کے نام کے ساتھ' تاریخ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئے ہیں۔ ان ''راویانِ احادیث'' کے نام اور حالاتِ زندگی کے مجموعے کا نام ''اسمائے الرِّجال'' (عظیم شخصیات کے نام) کہلاتا ہے۔

نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد مبارک تھا کہ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ(۱) یعنی جو مجھے دیکھ رہے ہیں اور مجھ سے سن رہے ہیں' وہ اُن تک پہنچائیں' جو اس سے محروم رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ نبیِ کریم ﷺ کے اس حکم کے مطابق' تمام صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین' اپنی اپنی اولادوں' عزیزوں' دوستوں اور ملنے والوں کو احادیثِ نبوی ﷺ سناتے اور بتاتے رہتے تھے۔ بس یہی ان کی زندگی کا کام اور یہی ان کے دن رات کا مشغلہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد فوراً ہی دوسری نوجوان نسل ان معلومات کو سیکھنے' یاد رکھنے اور محفوظ کرنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد' اُن تمام تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین میں سے ہر ایک کو ہر واقعے کا ایک ایک لفظ یاد کرنا' دہرانا اور حرفاً حرفاً محفوظ رکھنا پڑتا تھا۔ حضرت محمد ﷺ نے جہاں اپنے ہر قول اور ہر فعل کو دوسرے لوگوں تک پھیلانے کی تاکید فرمائی تھی' وہاں یہ بھی فرمادیا تھا کہ:

''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ''(۲)

ترجمہ: ''جو کوئی میرے متعلق قصداً (ارادے کے ساتھ جان بوجھ کر) کوئی غلط یا جھوٹ بیان کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا''۔

(۱) صحیح البخاری، باب الخطبة أيام منى، رقم: ۱۷٦٧۔

(۲) صحیح بخاری، باب اثم من كذب على النبى ﷺ، رقم حدیث: ۱۱۱۔

اس اعلان کے بعد اس بات کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ گئی تھی کہ کوئی بھی نبی کریم ﷺ کے کسی قول، فعل یا آپ سے متعلق کسی بھی بات اور واقعے میں، کوئی کمی یا زیادتی کر سکے یا واقعات کو توڑ مروڑ کر بیان کر سکے۔ اس اعلان کا یہ اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، نبی کریم ﷺ کی احادیث بیان کرتے وقت خوف سے کانپنے لگتے تھے کہ کہیں آپ ﷺ سے متعلق کسی قول، فعل یا کسی واقعے میں ذرہ برابر فرق نہ ہو جائے اور پوری دیانت داری اور احتیاط کے ساتھ ہر بات دوسروں تک پہنچائی جائے، ورنہ ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی کوئی بات نقل فرمائی تو خوف سے اُن کے چہرے کا رنگ بدل گیا، تھرّا گئے پھر کہا ''حضور ﷺ نے ایسا ہی فرمایا تھا یا اسی کے قریب قریب فرمایا تھا''۔

تاریخی لحاظ سے مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کو جمع کرنے اور انھیں ترتیب دینے کے لیے جو کام کیا، دراصل اس کے تین دور ہیں:

پہلا دور تقریباً ۱۰۰ ہجری تک قائم رہا۔ یہ دور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بڑے بڑے مشہور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا دور تھا۔

دوسرا دور ۱۵۰ ہجری تک رہا جو تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا دور تھا۔

تیسرا دور ۱۵۰ ہجری سے تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد تک قائم رہا۔ یہ دور امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کا تھا۔

پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد، تیسرے دور کی کتابوں میں شامل کر دیا گیا ہے، جو آج ہزاروں صفحات میں محفوظ ہمارے پاس موجود ہے اور جن کی رہنمائی میں ہم نبی کریم ﷺ کی مقدس سیرت اور پاکیزہ کردار کو اپنے لیے نمونہ بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عرب قوم پر یہ خاص مہربانی تھی کہ عربوں کو اللہ پاک نے بہت مضبوط حافظہ،

یعنی زبانی یادرکھنے کی قوت عطا فرمائی تھی۔ قدرت کا یہ اصول بھی ہے کہ ہم جس قوت سے جتنا کام لیں اور جس کا استعمال بار بار کریں، وہ قوت بڑھتی اور ترقی کرتی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے، حفظ کی قوت کو کمال تک پہنچایا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی ایک ایک حدیث اور آپ ﷺ سے متعلق ایک ایک واقعے کو سن کر اس طرح زبانی یاد کیا کرتے تھے، جیسے آج مسلمان قرآنِ مجید حفظ کیا کرتے ہیں۔ حدیث یاد کرنے والے کو محدّث کہتے ہیں۔ ایک ایک محدّث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثوں کو زبانی یاد کیا کرتا تھا اور یاد رکھتا تھا۔

نبی کریم ﷺ کے قول، فعل اور آپ کی سیرت و کردار سے متعلق تمام تفصیلات، مسلمانوں کے سینوں میں ہی محفوظ نہیں تھیں، بلکہ ان سب کو تحریری طور پر بھی محفوظ کیا گیا اور نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی میں تحریری کام کا آغاز ہو چکا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے بے شمار احکامات اور ہدایات ایسی تھیں، جو آپ نے مختلف موقعوں پر کسی ضرورت کے متعلق لکھوائیں۔ ان میں وہ خطوط بھی شامل ہیں، جو آپ ﷺ نے دین سے متعلق مختلف مسائل اور سوالات کے جوابات میں لکھوائے اور انھیں عرب کے مختلف حصوں میں روانہ فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے دینِ اسلام کی دعوت کے لیے کچھ خطوط، اُس وقت کی بڑی سلطنتوں کے غیر مسلم حکمرانوں کو بھی لکھوائے۔

نبی کریم ﷺ کے بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق حدیثوں کا سرمایہ جمع کرنا شروع کر دیا تھا، جب آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ:

"اُكْتُبْ فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ"(1)

ترجمہ: "تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے، حق نکلتا ہے۔"

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے جو کچھ سنا، اُسے تحریری طور پر لکھا اور اس مجموعے کا نام "صادقہ" رکھا۔ اس کے بارے میں وہ فرمایا کرتے تھے کہ "صادقہ" وہ

(1): سنن ابی داؤد، کتاب العلم، ج۲، ص۱۵۸، رقم:۳۶۴۶۔

صحیفہ ہے، جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھا، جس میں میرے اور آپ ﷺ کے درمیان کوئی دوسرا نہیں۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کی سیرت و کردار سے متعلق قیمتی معلومات، نہایت احتیاط سے تحریری طور پر جمع کر کے آئندہ نسلوں کے لیے یادگار کے طور پر چھوڑیں اور آنے والی نسلوں نے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس قیمتی سرمائے کو اپنی کتابوں میں داخل کر لیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں ہی تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے، دن رات زبردست محنت اور جدوجہد کی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیان کردہ تمام روایات، واقعات اور حالات کو ایک ایک سے پوچھ کر، ایک ایک کے دروازے پر جا کر، بوڑھے، جوان، عورت، مرد سب سے مکمل تحقیق کے بعد ہمارے لیے اکٹھا کیا۔ تابعین میں محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطا بن ابی رباح، سعید بن جبیر اور ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے سینکڑوں ایسے تابعین ہیں، جنھوں نے نہایت محبت، شوق اور دیوانگی سے نبی کریم ﷺ کی سیرت اور کردار سے متعلق ایک ایک تفصیل معلوم کی اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ایک قیمتی سرمایہ جمع کیا۔

امام محمد بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے جس محبت، لگن اور کوشش سے آنحضرت ﷺ کے حالات اور واقعات جمع کیے، وہ اپنی جگہ ایک عظیم مثال ہے۔ ان کے زمانے میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کافی تعداد میں زندہ تھے۔ وہ مدینے کے ایک ایک انصاری کے گھر جاتے۔ جوان، بوڑھے، مرد، عورت جو مل جاتا، یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جا کر نبی کریم ﷺ کے اقوال اور حالات پوچھتے اور تحریر کرتے۔ امام محمد بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے اور وہ سب کے سب نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کو جمع کرنے، انھیں ترتیب دینے، ان کی تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت میں مشغول رہتے تھے۔ یہی ان کی زندگی کا کام تھا اور نبی کریم ﷺ سے حد درجہ محبت کرنے والے یہ دیوانے، اس کام کے علاوہ دنیا کے ہر کام سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرتِ پاک کے بارے میں جو تاریخی سرمایہ مسلمانوں نے جمع کیا' اس کے بارے میں ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال' افعال اور احوال کے بارے میں مسلمانوں نے جہاں بے پناہ محبت' محنت اور دن رات کی جاں فشانی سے کام لیا' وہاں احتیاط اور دیانت داری کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آپ تاریخ کی کتابیں اٹھا کر پڑھ لیجیے۔ ان کتابوں میں تاریخی شخصیات اور ان کی زندگی کے حالات و واقعات سے متعلق' بے شمار ایسی ایسی باتیں سامنے آتی ہیں' جن کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں ہم کوئی بات یقین اور اعتماد سے نہیں کہہ سکتے' یہاں تک کہ بے شمار تاریخی کتابوں میں نبیوں اور رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں بہت سے بے بنیاد' سچے جھوٹے واقعات شامل کر لیے گئے ہیں۔ زبانی روایتوں کو تحریر میں لانے میں یہ خدشہ زیادہ ہوتا ہے کہ اُن میں بازاری افواہوں کو بھی تحریر کر کے شامل کر لیا جاتا ہے اور ان روایتوں کی بیان کرنے والوں کے نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتے۔ ان میں عقل' گمان اور اندازوں کے بل بوتے پر بہت سی بے کار اور خرافات بھی شامل ہو جاتی ہیں اور کچھ عرصے کے بعد یہ خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب میں ڈھل جاتی ہیں۔

لیکن آپ غور فرمائیے کہ مسلمانوں نے سیرت نگاری کو بھی باقاعدہ ایک فن کی شکل دی۔ فنِ سیرت کے اصول قائم کیے' جس کا سب سے پہلا اصول ہی یہ تھا کہ جو بھی واقعہ بیان کیا جائے' اُس شخص کی زبانی بیان کیا جائے' جو خود اُس واقعے میں شریک تھا اور اگر وہ خود شریک نہیں تھا' بلکہ اُس شخص نے مختلف راویوں کے حوالے سے کوئی بات یا واقعہ بیان کیا ہے' تو ان تمام درمیانی راویوں کے نام ترتیب سے بیان کیے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مکمل تحقیق کی جائے کہ جن اشخاص نے ان روایتوں کو بیان کیا ہے' وہ کون لوگ تھے؟ کیسے تھے' اِن کے مشاغل اور مصروفیات کیا تھیں؟ ان کا چال چلن اور کردار کیسا تھا؟ وہ عالم تھے یا جاہل؟ یہ تمام احتیاط' دیانت داری قائم رکھنے کے لیے کی گئی' تاکہ ذرہ برابر کمی بیشی' جھوٹ یا مبالغہ شامل نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں چھوٹی سے چھوٹی بات کا پتہ لگانا اور تحقیق کرنا انتہائی مشکل کام تھا' لیکن محدثینِ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنی عمریں اس کام میں

صرف کر دیں۔ ایک ایک حدیث حاصل کرنے کے لیے انھیں سینکڑوں میل کا سفر کرنا پڑا، تو انھوں نے کیا اور وہ بھی اُس زمانے میں، جب آج جیسی سفر کی سہولتیں موجود نہ تھیں۔ کار، بس، ریل گاڑی اور جہاز جیسے تیز رفتار ذرائع آمد و رفت کا وجود بھی نہ تھا اور لوگ عموماً پیدل یا اونٹ، خچر اور گھوڑوں پر سفر کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود وہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک گئے اور نبی کریم ﷺ کی احادیث کے سلسلے میں راویوں کی چھان بین اور تحقیق میں، جس جد و جہد، دیانت داری اور حق گوئی سے کام لیا، دُنیا آج بھی ان محدثینِ کرام رحمۃ اللّٰہ علیھم اجمعین پر بجا طور پر فخر کرتی ہے۔

ان تمام تفصیلات کو پڑھنے کے بعد نبیِ کریم ﷺ کی سیرتِ مبارک کا تاریخی پہلو بڑی حد تک آپ کے سامنے آ گیا ہوگا۔ آیئے! اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آج ہمارے سامنے نبی آخر الزّماں حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے حالات اور واقعات کا جو سرمایہ موجود ہے اور جس ہستی کو ہم پوری کائنات میں ایک بہترین رہنما اور نمونے کے طور پر مانتے ہیں اور پوری دُنیا کے سامنے بہترین ماڈل کے طور پر پیش کرتے ہیں، اِن کے کیا ماخذ ہیں، یعنی ہم نے اِن تمام تاریخی تفصیلات کو کہاں کہاں سے حاصل کیا ہے اور جن ذریعوں سے حاصل کیا ہے، وہ کتنے یقینی اور ٹھوس ہیں اور ان پر کس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

1 آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارک کا سب سے اہم اور سب سے صحیح حصہ تو وہ ہے، جو قرآنِ مجید سے حاصل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کی گواہی اور قرآنِ مجید کے اعتبار پر، دوست تو کیا، دشمن بھی شک نہیں کر سکتے۔ قرآنِ مجید کے بارے میں اللّٰہ تعالیٰ نے خود گواہی دی ہے کہ یہ وہ کتاب ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ نے خود قرآنِ مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور آج تقریباً ساڑھے چودہ سو سال کے دوران آج تک، قرآنِ مجید کی ایک آیت تو کیا، اس کے زبر، زیر میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے تمام ضروری حصے، مثلاً نبوت سے قبل آپ ﷺ کی زندگی، یتیمی، غربت، نبوت، وحی، اعلان و تبلیغ، معراج، مخالفین کی دشمنی، ہجرت، لڑائیاں، واقعات، اخلاق سب قرآنِ مجید میں موجود ہیں اور یہ حقیقت ظاہر کرتی ہے کہ آپ

ﷺ سے بڑھ کر کوئی تاریخی سیرت اس دنیا میں موجود ہی نہیں، جس پر مکمل اعتبار کیا جا سکے۔

۲ قرآنِ مجید کے بعد نبی کریم ﷺ کی مبارک سیرت کا دوسرا ماخذ، یعنی ذریعہ خود نبی کریم ﷺ کی احادیث ہیں، جو ایک لاکھ کے قریب ہیں، جن میں چھانٹ کر کے صحیح الگ، کمزور الگ اور جعلی الگ کر دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ''صحاحِ ستہ(۱)'' کا سرمایہ ہے، جس کے ایک ایک واقعے پر مکمل تحقیق کی گئی ہے اور ہر واقعہ جانچا اور پرکھا ہوا ہے۔ صحاحِ ستہ کے چھے مجموعے ہیں۔

اس کے علاوہ مسانید(۲) ہیں۔ ان مسانید میں سب سے بڑا مسند امام ابنِ حنبل رحمۃ اللّٰہ علیہ کا ہے، جو چھے جلدوں میں ہے اور ان میں سے ہر جلد باریک ٹائپ کے پانچ پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کے ایک ایک صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں۔ اِن مجموعوں میں نبی کریم ﷺ کے حالات اور تعلیمات، سب کچھ ملے جلے ہیں۔

آپ اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان مجموعوں کے ذریعے نبی کریم ﷺ کی تاریخی حیثیت کی، کس قدر ٹھوس شہادتیں ہمیں حاصل ہوتی ہیں۔

۳ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ پاک اور کردارِ مبارک کے بارے میں تفصیلات حاصل ہونے کا تیسرا ماخذ مغازی ہیں۔ مغازی وہ کتابیں کہلاتی ہیں جن میں زیادہ تر نبی کریم ﷺ کے غزوات اور جنگوں کا حال اور دیگر واقعات بھی موجود ہیں۔ مغازی کے سلسلے میں مغازی عروہ بن زبیر رحمۃ اللّٰہ علیہ، مغازی ابنِ اسحاق رحمۃ اللّٰہ علیہ، مغازی زیاد بکائی رحمۃ اللّٰہ علیہ اور مغازی واقدی رحمۃ اللّٰہ علیہ بہت قدیم اور مشہور مجموعے ہیں۔

۴ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کی تاریخیت ثابت کرنے کے لیے ایک اور اہم ذریعہ

---

(۱) صحاحِ ستہ: ۱ صحیح بخاری ۲۵۶ھ ۲ صحیح مسلم ۲۶۱ھ ۳ سنن ابن ماجہ ۲۷۳ھ ۴ سنن ابی داؤد ۲۷۵ھ ۵ جامع ترمذی ۲۷۹ھ ۶ سنن نسائی ۳۰۳ھ۔

(۲) مسانید: مسند کی جمع، وہ کتب جو صحابہ کرام رضی اللّٰہ عنہم کی مرویات کی ترتیب سے لکھی گئی ہیں ''مسانید'' کہلاتی ہیں۔

تاریخ کی وہ کتابیں ہیں، جن کا پہلا حصہ خاص طور پر آنحضرت ﷺ کی سوانح، یعنی حالاتِ زندگی سے متعلق ہے۔ اِن کتابوں میں سے جن کو سب سے زیادہ صحیح سمجھا اور جن پر سب سے زیادہ اعتبار کیا جا سکتا ہے اور جن میں سب سے زیادہ تفصیلات موجود ہیں، وہ طبقاتِ ابنِ سعد ، تاریخ الرسل و الملوک امام ابوجعفر طبری ، تاریخِ صغیر و کبیر امام بخاری ، تاریخِ ابنِ حبان اور تاریخِ ابنِ ابی خثیمہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہم کی ہیں۔

۵ آنحضرت ﷺ کے معجزات اور روحانی کارناموں کے بارے میں لکھی گئیں کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ، ہمارے پاس آج بھی موجود ہے۔ اِن کتابوں کو "کتبِ دلائل" کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے تفصیلی کتاب امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی "خصائصِ کبریٰ" ہے۔ اس کے علاوہ، آج ہمارے پاس اس موضوع پر مندرجہ ذیل کتابیں موجود ہیں مثلاً:

ابنِ قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی "دلائل النُّبُوَّت" جن کی وفات ۲۷۶ھجری میں ہوئی۔

ابواسحاق حربی رحمۃ اللہ علیہ کی "دلائل النُّبُوَّت" جن کی وفات ۲۵۵ھجری میں ہوئی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل، جن کا انتقال ۴۳۰ھجری میں ہوا۔

ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل، جنھوں نے ۴۳۰ھجری میں وفات پائی۔

مستغفری رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل، جن کی وفات ۴۳۲ھجری میں ہوئی۔

ابوالقاسم اسمٰعیل اصفہانی کے دلائل، جن کی وفات ۵۳۵ھجری میں ہوئی۔

۶ سیرتِ رسول ﷺ کے بارے میں چھٹا ماخذ "کتبِ شمائل" ہیں، یعنی وہ کتابیں جو صرف آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات، فضائل اور روزمرہ زندگی کے معمولات پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی اور سب سے مشہور کتاب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب الشمائل" ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۷۹ھجری میں وفات پائی۔ ان کی کتاب "کتاب الشمائل" کی بیسیوں شرحیں لکھی گئیں۔

اس فن کی سب سے تفصیلی کتاب، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ'' ہے۔

اس کے علاوہ مستغفری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''شمائل النبی'' ہے، جنھوں نے ۴۳۲ ھجری میں وفات پائی۔

الساطع ابن المقری غرناطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''شمائل النور'' ہے، جو ۵۵۲ ھجری میں فوت ہوئے۔

مجد الدین فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سفر السعادۃ'' ہے، جنھوں نے ۸۱۷ ھجری میں انتقال فرمایا۔

۷ اوپر بیان کی گئیں کتب کے علاوہ کچھ ایسی کتابیں بھی ہیں، جن میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات بیان کیے گئے ہیں، جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ، نبیِ کریم ﷺ کے مقامی حالات اوران مقامات کے نام ونشان ہیں، جن کو نبیِ کریم ﷺ سے کوئی تعلق ہے۔ اس قسم کی کتابوں میں سب سے قدیم کتاب للا رزقی رحمۃ اللہ علیہ کی ''اخبارِ مکہ'' ہے، انھوں نے ۲۲۳ ھجری میں وفات پائی۔ اس کے علاوہ عمر بن شبہ رحمۃ اللہ علیہ کی ''اخبارِ مدینہ'' ہے، ان کی وفات ۲۶۲ ھجری میں ہوئی۔ فاکہی رحمۃ اللہ علیہ کی ''اخبارِ مکہ'' اور ابنِ زبالہ رحمۃ اللہ علیہ کی ''اخبارِ مدینہ'' اسی انداز کی کتابیں ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ سب کام صرف حفظ کرنے اور تحریری طور پر لکھنے اور محفوظ کرنے تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ مسلمان حکمرانوں کے حکم سے درس گاہوں اور مسجدوں میں حلقے قائم تھے، جہاں اپنے زمانے کے بڑے بڑے امام، سیرتِ رسولِ کریم ﷺ کے بارے میں اور خصوصاً ''مغازی'' کی تعلیم کی غرض سے درس دیا کرتے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو رسولِ کریم ﷺ کے صحابی تھے، ان کے پوتے عاصم بن عمر ''مغازی'' کے سب سے بڑے امام تھے اور خلیفہ حضرت عمر بن

عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے، اُس وقت کے دارالحکومت دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھ کر ''مغازی'' کا درس دیا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک تھا کہ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ یعنی جو مجھے دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں، وہ اُن تک پہنچائیں جو اس سے محروم رہے ہیں، اس لیے سیرتِ نبوی ﷺ کی ابتدائی زمانے میں لکھی گئیں کتابوں کو سینکڑوں ہزاروں اشخاص نے سنا، پڑھا اور اُن کا ایک ایک حرف دوسروں تک پہنچایا۔ حدیث کی پہلی کتاب موطا کو اس کے مصنف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے، چھ سو آدمیوں نے سنا، جن میں اُس زمانے کے حکمران، علما، فقہا، حکما، ادبا اور صوفیا، غرض ہر طبقے کے آدمی تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''جامع صحیح'' کو صرف اُن کے ایک شاگرد فربری سے ساٹھ ہزار آدمیوں نے سنا۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں۔ ان تمام کتابوں میں سے ہر ایک کتاب، دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرتوں کے مقابلے میں زیادہ صاف، قابلِ اعتبار اور زیادہ تاریخی ہے۔

مسلمانوں کو چھوڑیے کہ ان کا تو دین و ایمان ہی نبی کریم ﷺ کی عقیدت اور غلامی ہے۔ آپ دشمنوں پر بھی نظر دوڑائیے! ہندوستان میں ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں نے آپ ﷺ کی سیرتیں لکھیں اور اپنی عقیدت کے نذرانے پیش کیے۔ یورپ جہاں عیسائیت کا چرچا ہے، وہاں بھی یورپ کی بے شمار زبانوں میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں اب تک ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جارہی ہیں۔ ان میں سے لکھنے والوں نے کچھ زہریلی کتابیں بھی لکھیں، جن میں نبی آخر الزّماں ﷺ کی مخالفت کی گئی اور آپ ﷺ کی زندگی اور دینِ اسلام کے بارے میں تعصّب اور نفرت کی بنیاد پر بے بنیاد اعتراضات کیے گئے۔ ان کتابوں کے جواب میں بے شمار یادگار کتابیں لکھی گئیں، جن میں سیرتِ رسول ﷺ اور دینِ اسلام کے بارے میں کیے گئے اعتراضات کے، ایسے منہ توڑ جواب دیے گئے کہ اعتراضات کرنے والے مخالفین اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

اب آپ نے بخوبی اندازہ لگالیا ہوگا کہ ان صفحات میں نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا جو تفصیلی نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اس سے ہر دوست، دشمن بخوبی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ سیرتِ محمدی ﷺ کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟

ان تمام حقائق کو جاننے کے بعد یہ حقیقت پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ جس اہتمام، محبت، محنت اور تحقیق و جستجو سے پیغمبرِ آخر الزّماں حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور کردار کے بارے میں معلومات کا سرمایہ اکٹھا ہوا، یہ سعادت اور ''تاریخیت''، کائنات کی کسی بھی شخصیت کے حصے میں نہیں آئی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ

حضور ﷺ کی اُمت پر شفقت کی ایک جھلک

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے عرفہ کی شام کو مغفرت کی دعا کی، جو اس طرح قبول ہوئی کہ سب گناہوں کی مغفرت کرتا ہوں سوائے حقوق العباد کے کہ ظالم سے مظلوم کے حقوق ضرور وصول کروں گا۔ آپ ﷺ نے دعا کی کہ اے ربّ! اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت (سے انعام) دے کر ظالم کو بخش دیں۔ اس شام کو یہ دعا منظور نہیں ہوئی۔ جب مزدلفہ میں صبح ہوئی، پھر دعا کی تو منظور ہو گئی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے خندہ یا تبسم فرمایا۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے عرض کیا: ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! اس وقت تو کوئی ہنسنے کا موقع معلوم نہیں ہوتا، تو کس وجہ سے آپ ﷺ ہنستے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کرلی اور میری اُمت کی مغفرت فرمادی، تو خاک لے کر سَر پر ڈالنے لگا اور ہائے واویلا مچانے لگا تو اس کی گھبراہٹ کو دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

(ابن ماجہ، بیہقی کذا فی المشکوٰۃ، بحوالہ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ، چوتیسویں فصل)

چوتھا خطبہ

نبیِ کریم حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کی ''کاملیّت''

پورے عالمِ انسانی کے لیے بہترین اور مثالی نمونہ یا ماڈل بننے کے لیے جو چار شرطیں رکھی گئی ہیں' ان میں دوسری شرط ''کاملیّت'' ہے۔ کاملیّت سے مراد یہ ہے کہ جس انسان کی زندگی کو ہم بہترین اور مثالی نمونے کے طور پر پیش کر رہے ہیں' اس کی زندگی کا کوئی پہلو بھی پردے میں چھپا ہوا نہ ہو' بلکہ اس کی تمام سوانح عمری' روزِ روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہو' تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس انسان کی سیرت' کس حد تک انسانی معاشرے کے لیے ایک آئیڈیل زندگی بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس معیار کے مطابق اگر ہم دنیا کے مختلف مذاہب کے بانیوں کی سیرتوں اور ان کے حالاتِ زندگی پر نظر دوڑائیں' تو معلوم ہوگا کہ آنحضرت محمد ﷺ کے سوا کوئی ہستی بھی اس معیار اور اس شرط پر پوری نہیں اترتی۔ اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء اور نبیِ آخر الزّماں کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائے تھے۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں اس حقیقت کا جائزہ لیا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے صرف تین چار ہستیاں ہی ایسی ہیں' جو کسی حد تک تاریخی کہی جا سکتی ہیں' لیکن کاملیّت کی شرط پر وہ بھی پوری نہیں اترتیں۔ گوتم بدھ کے پیروکار آج دنیا کی چوتھائی آبادی پر مشتمل ہیں' لیکن اس کے باوجود تاریخی حیثیت سے گوتم بدھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ان قصے کہانیوں میں سے ہم بدھ کی زندگی کے ضروری اور اہم حصے تلاش کرنا چاہیں' تو ہمیں ناکامی ہو گی۔ ان کہانیوں سے ہمیں گوتم بدھ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ اتنا معلوم ہوتا

ہے کہ وہ نیپال کے راجا کا بیٹا تھا' جس نے حسّاس اور سوچنے والی طبیعت پائی تھی۔ جوان ہونے اور ایک بچے کا باپ بننے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت زدہ انسانوں پر پڑی۔ انسانوں کے دکھوں اور غموں سے اس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی اور ایک رات نہایت خاموشی سے وہ اپنی بیوی' بیٹے اور شاہانہ زندگی کو چھوڑ کر دیس سے نکل گیا اور مختلف شہروں' جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا۔ نجانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد ''گیا''(۱) کے ایک درخت کے نیچے عبادت کے دوران' اسے وہ ''حقیقت'' حاصل ہوگئی جس کی اسے تلاش تھی۔ بنارس سے لے کر بہار تک وہ اپنے نئے مذہب کا وعظ کہتا رہا اور پھر اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ بدھ کی زندگی کا صرف اتنا خلاصہ ہی دستیاب ہے' اس سے زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔

زَرتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے۔ اس کی سیرت اور زندگی کا بھی باقاعدہ کوئی سراغ نہیں ملتا' حتیٰ کہ ہم زَرتشت کے زمانے تک سے واقف نہیں ہیں اور ہمیں یقینی طور پر اس کی پیدائش کی جگہ تک معلوم نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آذربائیجان کے کسی مقام میں پیدا ہوا۔ بلخ کے علاقے میں اس نے تبلیغ کی۔ بادشاہ ہشتاسپ نے اس کے مذہب کو اختیار کیا۔ زَرتشت نے کچھ غیر معمولی معجزے دکھائے۔ شادی بیاہ بھی کیا۔ اس کی اولادیں بھی ہوئیں اور پھر کہیں مرگیا۔

غور فرمائیے' کیا ایسی نامعلوم ہستی ''کاملیّت'' کی شرط پر پوری اتر سکتی ہے اور کیا اس کی زندگی انسانی معاشرے کے لیے رہبری اور رہنمائی کا فرض انجام دے سکتی ہے؟ بڑے بڑے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تورات نازل فرمائی۔ آج جو تورات موجود ہے' وہ اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے' اس میں بے شمار تبدیلیاں آچکی ہیں' اس لیے یہ مستند اور درست تسلیم نہیں کی جاتی۔ بہرکیف اس وقت تورات کی پانچوں کتابوں میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

---

(۱) گیا: اُس مقام کا نام' جہاں روایت کے مطابق گوتم بدھ کو ایک پیپل کے درخت کے نیچے نِروان (زندگی کی حقیقت کا راز) حاصل ہوا تھا۔

بارے میں جو تفصیلات ملتی ہیں، وہ صرف اتنی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدائش کے بعد فرعون کے گھر میں پرورش پاتے ہیں۔ جوان ہو کر فرعونیوں کے مظالم کے خلاف ایک دو موقعوں پر بنی اسرائیل کی مدد کرتے ہیں، پھر مصر سے بھاگ کر مدین(۱) آتے ہیں۔ شادی کر کے زندگی کا خاصا حصہ یہاں گزارتے ہیں، پھر مصر واپس جاتے ہوئے راستے میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اس کے بعد آپ فرعون کے پاس پہنچتے ہیں، معجزات دکھاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کی رخصت چاہتے ہیں، لیکن فرعون اس بات کی اجازت نہیں دیتا، تو آپ اپنی قوم کو لے کر نکل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور درمیان میں آپ کو اور آپ کی قوم کو گزرنے کا راستہ مل جاتا ہے۔ فرعون آپ کا پیچھا کرتے ہوئے، سمندر میں اپنی فوج سمیت غرق ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کو لے کر عرب اور شام میں داخل ہو جاتے ہیں، جہاں کافر باشندوں سے آپ کو کئی لڑائیاں پیش آتی ہیں اور اسی حالت میں، جب وہ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر ان کی وفات ہو جاتی ہے۔

توارات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سو بیس سال عمر پائی، لیکن غور فرمایئے، کیا ان ایک سو بیس سالوں میں ان کی زندگی کے ضروری اور اہم حصے ہمارے ہاتھ آتے ہیں؟ صرف پیدائش، جوانی میں ہجرت، شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہوئے، پھر چند لڑائیوں کے بعد ایک سو بیس برس کی عمر میں ان کی وفات ہو جاتی ہے۔

دوستو! غور کرنے کی بات یہ ہے کہ انسان کو اپنے معاشرے میں عملی نمونے اختیار کرنے اور پیش کرنے کے لیے، کسی ''ماڈل'' کی زندگی کے جن حصوں کی ضرورت ہے، وہ ہیں اُس ''ماڈل'' کی زندگی کے طور طریقے، اس کے اخلاق اور عادات وغیرہ اور دیکھیے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیغمبرانہ زندگی کے بارے میں ہمیں ان تمام ضروری اور اہم ترین حصوں کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

اسلام سے سب سے قریبی زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے، جن کے ماننے

---

(۱) مدین: حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بحیرۂ عرب کے شمال مشرقی علاقے میں ایک جگہ کا نام۔

والے اس وقت پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہیں، لیکن آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ بڑے بڑے مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے مقابلے میں، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالاتِ زندگی سب سے کم دستیاب ہیں۔

آج یورپ کے بڑے بڑے عیسائی علما، محقق اور تاریخ دان اپنے علم اور تحقیق کے بل بوتے پر ہزاروں لاکھوں سال پہلے کے واقعات منظرِ عام پر لا رہے ہیں، لیکن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے بارے میں جو تفصیلات اکٹھی کر سکے ہیں، وہ انتہائی مختصر ہیں۔

انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر تینتیس (۳۳) برس تھی۔ موجودہ چاروں انجیلوں کی روایتوں پر تو ویسے بھی مکمل اعتبار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان میں کافی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود ان انجیلوں سے جو تفصیلات ہمیں ملتی ہیں، وہ زیادہ تر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں۔ ان کی تاریخی زندگی کے بارے میں صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدائش کے بعد مصر لائے گئے۔ لڑکپن میں انھوں نے ایک دو معجزے دکھائے۔ اس کے بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پھر تقریباً تیس سال کی عمر میں وہ بپتسمہ (۱) دیتے اور پہاڑیوں اور دریاؤں کے کنارے، ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں۔ ان کے چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں۔ یہودیوں سے ان کی مذہبی بحثیں اور مناظرے ہوتے ہیں، پھر یہودی انھیں گرفتار کروا دیتے ہیں۔ رومی گورنر کی عدالت میں ان کا مقدمہ پیش ہوتا ہے اور انھیں سولی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ تیسرے دن ان کی قبر لاش سے خالی نظر آتی ہے۔ ان کی زندگی کے آخری تین سالوں سے پہلے کے تیس برسوں کی تفصیلات، آج تک پردے میں چھپی ہوئی ہیں۔ یہ زمانہ انھوں نے کہاں اور کیسے گزارا، دنیا اس سے قطعی طور پر ناواقف ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی شخصیت کو جس کی زندگی کی اہم کڑیاں گم ہیں، انسانوں کے

---

(۱) بپتسمہ: عیسائی بنانے کی رسم۔

لیے ایک نمونہ یا ماڈل بنایا جا سکتا ہے؟

ہماری اس تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ کوئی زندگی خواہ کتنی بھی تاریخی ہو، جب تک وہ کامل نہ ہو اور کاملیّت کی شرط پر پوری نہ اترے، ہمارے لیے نمونہ نہیں بن سکتی۔ کسی زندگی کا کامل ہونا اور ہر نقص اور برائی سے پاک ہونا، اس وقت تک ثابت نہیں ہوسکتا، جب تک اس زندگی کے چھوٹے بڑے حصے ہمارے سامنے نہ ہوں۔ یہ شرف صرف اور صرف ہمارے نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک، اُن کے زمانے کے لوگوں کے سامنے اور ان کی وفات کے بعد پوری دنیا کے سامنے، ہر چھوٹی بڑی تفصیل کے ساتھ آج بھی موجود ہے۔

پیدائش، شیر خوارگی، بچپن، ہوش و تمیز، جوانی، تجارت، آمد و رفت، شادی، نبوت سے پہلے آپ کے دوست احباب، قریش کے معاہدے میں شرکت، امین بننا اور خانۂ کعبہ میں پتھر نصب کرنا، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غارِ حرا کی گوشہ نشینی، وحی، اسلام کا ظہور، دین کی دعوت و تبلیغ، کفار کی مخالفت، طائف کا سفر، معراج، ہجرت، غزوات، حدیبیہ کی صلح، دعوتِ اسلام کے لیے دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کے نام خطوط اور پیغامات، اسلام کی اشاعت، دین کی تکمیل، حجۃ الوداع اور وفات، ان میں سے کون سا زمانہ ہے، جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں اور آپ ﷺ کی کون سی حالت ہے، جس سے اہلِ تاریخ ناواقف ہیں۔ سچ جھوٹ، صحیح غلط، ہر چیز الگ الگ موجود ہے اور اسے ہر شخص جان سکتا ہے۔ آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، دوست احباب، نماز روزہ، دن رات کی عبادت، صلح و جنگ، آمد و رفت، سفر و حضر، نہانا دھونا، کھانا پینا، ہنسنا رونا، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرنا، ہنسی مذاق، بولنا چالنا، خلوت جلوت، ملنا جلنا، طور طریق، رنگ ڈھنگ، خط و خال، قد و قامت اور بیویوں کے ساتھ آپ کے تعلقات وغیرہ کے واقعات، ہر چیز پوری تفصیل کے ساتھ معلوم اور محفوظ ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ اور آپ کی خوبیوں اور اوصاف کے بارے میں، جو کتب لکھی گئی ہیں انھیں ''شمائل شریف'' کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ترتیب دی گئی سب سے قدیم کتاب ''شمائلِ ترمذی'' ہے۔ آیئے! ''شمائلِ ترمذی'' کے مختلف ابواب پر نظر

دوڑائیں۔ اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کے چھوٹے چھوٹے واقعات بھی کس محبت اور محنت سے تحریر کیے گئے ہیں:

آنحضرت ﷺ کا حلیہ اور صورت وشکل کے بیان میں، آپ ﷺ کے بالوں، پکّے ہوئے یعنی سفید بالوں کے بیان میں، آپ ﷺ کی کنگھی، خضاب، سرمہ لگانے، لباس، زندگی بسر کرنے، موزوں، پاپوش (جوتا)، انگوٹھی، تلوار، زرہ، خود، عمامہ، پائجامہ، رفتار، منہ پر کپڑا ڈالنے، نشست، تکیہ وبستر، تکیہ لگانے، کھانے، روٹی، گوشت اور سالن، وضو کرنے، کھانے کے پہلے اور پیچھے دعا پڑھنے کے بیان میں۔ آنحضرت ﷺ کے پیالے، میوے، خوشبو لگانے، باتیں کرنے، شعر پڑھنے، رات کو باتیں کرنے اور قصہ کہنے، سونے، عبادت کرنے، خندہ و تبسم (ہنسنا اور مسکرانا)، مزاح، چاشت کی نماز، گھر میں نفل پڑھنے، روزہ، قرآن پڑھنے، گریہ وبُکا (اللہ کے حضور رونا اور آہ وزاری)، تواضع، اَخلاق، حجامت، آپ ﷺ کی عمر، وفات اور آپ ﷺ کی میراثِ متروکہ (چھوڑی ہوئی جائیداد) کے بیان میں۔

یہ تمام آپ ﷺ کے ذاتی حالات ہیں۔ اوپر دیے گئے تمام عنوانات سے متعلق بے شمار واقعات بھی تفصیل سے موجود ہیں اوران میں سے ہر پہلو صاف اور روشن ہے۔ گھر کے اندر آپ ﷺ بیویوں اور بچوں کے درمیان ہوا کرتے تھے اور گھر سے باہر اپنے محبت کرنے والوں دوستوں کے درمیان، اس لیے آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کا کوئی بھی لمحہ پردے سے باہر نہ تھا۔ ایک مشہور قول ہے کہ:

"کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں ہوسکتا۔"

لیکن یہ اصول کم از کم حضرت محمد ﷺ کے بارے میں غلط ثابت ہوتا ہے۔ بیوی سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوریوں سے کوئی دوسرا واقف نہیں ہوسکتا۔ آپ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، نبوت سے پہلے پندرہ برس آپ کے ساتھ گزار چکی تھیں اور آپ ﷺ کے ہر حال اور ہر کیفیت کے بارے میں ہر بات جانتی تھیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جونہی آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیغمبری کا دعویٰ کیا، تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پیغمبری کے اس دعویٰ کی سچائی کو تسلیم کیا۔ اسی طرح آپ ﷺ کے غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ، اور بچپن سے آپ

ﷺ کے ساتھ رہنے والے، آپ کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بغیر ہچکچاہٹ کے، آپ ﷺ کے دعویٰ کی صداقت کو تسلیم کر لیا۔ معاشرے میں کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی یہ ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی بیوی کو یہ اجازت دے کہ تم میری ہر بات، ہر حالت اور ہر واقعہ کھل کر کہہ دو اور جو کچھ چھپا ہے، وہ سب پر ظاہر کر دو۔ اب آپ غور فرمائیے کہ آنحضرت محمد ﷺ کی گیارہ بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو یہ عام اجازت تھی کہ تنہائی میں، مجھ میں جو کچھ دیکھو وہ باہر سب کے سامنے بیان کر دو، جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کر دو، جو بند کوٹھریوں میں دیکھو اسے کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو۔ بھلا ایسی صورتِ حال میں آنحضرت ﷺ کی شخصیت کا کون سا گوشہ چھپا رہ سکتا تھا۔

ذاتی حالات کے علاوہ آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق، اعلیٰ خوبیوں اور آدابِ زندگی کے بیان اور تفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ آیئے، دیکھیے کہ اس زاویے سے بھی صرف اور صرف نبیِ کریم ﷺ کی مبارک شخصیت ہی ''تاریخیت'' کے ساتھ ساتھ ''کاملیت'' کے معیار پر بھی پوری اترتی ہے۔ آپ ﷺ کا حسنِ اخلاق، استقامتِ عمل، حسنِ معاملہ، عدل وانصاف، آپ ﷺ کی سخاوت، مہمان نوازی، ایثار، گداگری سے نفرت، صدقے سے پرہیز، تحفہ قبول کرنا، کسی کا احسان قبول نہ کرنا، کسی پر جبر اور ظلم نہ کرنا، عیب جوئی اور تعریف کی ناپسندیدگی، سادگی اور بے تکلفی، امارت پسندی اور دکھاوے سے پرہیز، مساوات، تواضع، بے جا تعظیم اور مدح کی ناپسندیدگی، شرم وحیا، اپنے ہاتھ سے کام کرنا، عزم واستقلال، شجاعت، راست گوئی یعنی سچ بولنا، زہد وقناعت، ایفائے عہد، یعنی وعدے کو پورا کرنا، عفو وحلم یعنی معاف کرنا اور نرمی سے پیش آنا، دشمنوں سے عفو ودرگزر اور حسنِ سلوک، کفار اور مشرکین کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ، یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ، غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت، اپنے جانی دشمنوں سے عفو ودرگزر، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر، بچوں پر شفقت، خواتین کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ، حیوانات پر رحم، رحمت ومحبت، عیادت (مریض کی مزاج پُرسی) اور تعزیت (کسی کی وفات پر اظہارِ افسوس) کے لیے تشریف لے جانا۔ اولاد سے محبت اور اپنی ازواجِ مطہرات (بیویوں) رضی اللہ عنہن کے ساتھ آپ ﷺ کا سلوک، ان تمام معاملات کی تفصیلات، واقعات

اور مثالوں کے ساتھ کتابوں میں محفوظ ہیں اور ہماری رہنمائی کرتی ہیں کہ ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں، ہر حرکت میں اور ہر عمل میں کس طرح اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنا ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''زادالمعاد'' میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کے حالات کی تفصیلات ملتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے صرف ذاتی حالات کی تفصیل پر نظر ڈالیے۔

آپ ﷺ کی آمد و رفت اور سفر کے دوران سواری اور رسل و رسائل کا طریقہ، آپ ﷺ کے کھانے پینے کا طریقہ، آپ ﷺ کے نکاح اور بیویوں سے تعلقات کا طریقہ، نیند اور بیداری، لونڈی اور غلام کو اپنی خدمت کے لیے قبول فرمانے کا طریقہ، آپ ﷺ کے معاملات اور خرید و فروخت، ضروری حاجتوں کے آداب، بالوں کی اصلاح اور خط بنوانے، مونچھوں کے رکھنے اور ترشوانے کا طریقہ، آپ ﷺ کا طرزِ کلام، آپ ﷺ کی خاموشی، آپ ﷺ کا تبسّم، آپ ﷺ کا خندہ فرمانا (ہنسنا)، آپ ﷺ کا رونا، آپ ﷺ کا طریقۂ خطابت (تقریر)، طریقۂ وضو، موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ، طریقۂ تیمم، نماز ادا کرنے کا طریقہ، سجدہ کرنے اور دو سجدوں کے درمیان آپ ﷺ کے بیٹھنے کا طریقہ، قعدۂ اخیر میں آپ ﷺ کی نشست کا انداز اور کیفیت، تشہد کے وقت انگلی اٹھانے کا طریقہ، نماز میں سلام پھیرنے کا طریقہ، نماز میں آپ ﷺ کا دعا فرمانا، آپ ﷺ کے سجدۂ سہو کرنے کا طریقہ، نماز میں سُترہ (نمازی کے سامنے رُکاوٹ) کھڑا کرنے کا طریقہ، سفر کے دوران، مسجد اور گھر میں آپ ﷺ کا سنتیں اور نفلیں پڑھنے کا طریقہ، تہجد یا فجر کی سنتوں کے بعد، آپ کا استراحت فرمانا یعنی آرام کرنے کا طریقہ، رات کی نماز اور وتر پڑھنے کا طریقہ، وتر کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ، آپ ﷺ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت، آپ ﷺ کی چاشت کی نماز کا طریقہ، آپ ﷺ کے شکر بجالانے کا طریقہ، آپ ﷺ کے سجدۂ قرأت ادا کرنے کا طریقہ، آپ ﷺ کے جمعے کے معمولات، جمعے کے دن عبادات، خطبہ دینے کا طریقہ، عیدین یعنی عید الفطر، اور عید الاضحیٰ میں آپ ﷺ کا طریقہ، سورج گرہن کے وقت آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کا طریقہ، بارش نہ ہونے کی صورت، یعنی استسقا میں آپ ﷺ کا طریقہ، سفر کا طریقہ اور سفر

میں نفل پڑھنے کا طریقہ' آپ ﷺ کا دونمازوں کو اکٹھی پڑھنے کا طریقہ' قرآن پڑھنے اور سننے کا طریقہ' بیماروں کی عیادت' جنازوں کے ساتھ تیز قدم اٹھانے' میّت پر کپڑا ڈالنے اور آنے والی میّت کے بارے میں آپ کا سوال کرنے کا طریقہ' نمازِ جنازہ اور چھوٹے بچوں پر نمازِ جنازہ پڑھنے میں آپ ﷺ کا معمول' خودکشی کرنے والے اور جہاد کے مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنا' جنازے کے آگے آگے آپ ﷺ کے چلنے کا طریقہ' غائبانہ جنازے پر آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کا طریقہ' جنازے کے لیے آپ ﷺ کے کھڑے ہونے کا طریقہ' تعزیت اور زیارتِ قبور' صلوٰۃِ خوف' زکوٰۃ وصدقات اور چاند دیکھنے کے ساتھ ہی روزے افطار کے متعلق آپ ﷺ کا طریقہ' چاند دیکھنے کی گواہی میں آپ ﷺ کا طریقہ' سفر میں روزے کے افطار کے متعلق' عرفہ کے دن عرفہ کی وجہ سے افطار فرمانے اور جمعہ' شنبہ (ہفتہ) اور یک شنبہ (اتوار) میں روزہ رکھنے اور آپ ﷺ کے پے در پے روزہ رکھنے کا طریقہ' آپ ﷺ کے نفلی روزہ اور اس کے ٹوٹ جانے پر ادا کرنے کو واجب نہ سمجھنے کا طریقہ' جمعے کے دن کو روزے کے لیے مخصوص کر لینے پر آپ ﷺ کا کراہت فرمانا۔ آپ ﷺ کے اعتکاف' حج اور عمرہ' ایک سال میں دو' دو عمرے کرنے کا اور حج میں اپنے دستِ مبارک سے قربانی فرمانے اور سر منڈانے کا طریقہ' حج کے دنوں میں آپ ﷺ کے خطبوں کا طریقہ' عید الاضحیٰ میں آپ ﷺ کے قربانی کا طریقہ' نومود بچے کے کان میں آپ ﷺ کے اذان دینے' اس کا نام رکھنے' اس کا ختنہ اور عقیقہ کرنے' نام اور کنیت کے رکھنے میں آپ ﷺ کا طریقہ' بولنے میں احتیاط اور الفاظ کے انتخاب' اذکار و وظائف' گھر میں داخلے' بیت الخلا (پاخانے) میں جانے اور واپس آنے میں آپ ﷺ کا طریقہ' آپ ﷺ کے کپڑا پہننے' وضو کی دعا اور اذان کے الفاظ دہرانے سے متعلق آپ ﷺ کا طریقہ۔ رُویتِ ہلال یعنی چاند نظر آنے پر آپ ﷺ کے دعا فرمانے کا طریقہ' کھانے کے پہلے اور اس کے بعد آپ ﷺ کے دعاؤں کے پڑھنے کے آداب اور کھانے کے آداب میں آپ ﷺ کا طریقہ' آپ ﷺ کا دوسروں کے گھروں میں اجازت لے کر داخل ہونے اور سلام کے آداب میں آپ ﷺ کا طریقہ' سفر کے آداب میں آپ ﷺ کے طریقے اور سفر میں دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ' نکاح کی دعاؤں کے متعلق آپ ﷺ

کا طریقہ، بعض الفاظ کے استعمال کو مکروہ سمجھنے میں آپ ﷺ کی عادت، غزوات (جنگیں)، جہاد، قیدیوں سے متعلق آپ ﷺ کا معمول، قیدی، جاسوسی، غلام، صلح کرنے، امان دینے (پناہ دینے)، جزیہ مقرر کرنے (غیر مسلموں پر لاگو ہونے والا ٹیکس)، اور اہلِ کتاب و منافقین کے ساتھ آپ ﷺ کے برتاؤ کا طریقہ، کفار اور منافقین کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ، آپ ﷺ کا دل اور بدن کی بیماریوں کے علاج کرنے کا طریقہ۔

دوستو! آپ کے سامنے یہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی مختصر سی فہرست اس لیے پیش کی گئی ہے، تاکہ آپ غور فرمائیں اور اندازہ لگاسکیں کہ جب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو محفوظ رکھا گیا ہے، تو بڑی بڑی اہم باتوں کی کیا کچھ تفصیل موجود نہ ہوگی۔ اس سے یہ بات پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ ''کاملیت'' کے کیا معنی ہیں اور یہ بھی کہ پوری دنیا میں آغاز سے آج تک نبیِ کریم ﷺ کے سوا کسی عام انسان تو کیا، کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کی سیرت، اتنی کاملیت کے ساتھ محفوظ نہیں ہے۔ اگر آپ اس حقیقت کو جاننا چاہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارکہ اتنی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ آج ہمارے سامنے کس طرح محفوظ و موجود ہے، تو آیئے اس پہلو پر بھی نگاہ دوڑاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ تنہائی میں رہے یا سب کے سامنے، مسجد میں رہے یا جہاد کے میدان میں، رات کی نماز میں مصروف رہے یا فوجوں کی درستی میں، منبر پر رہے یا کہیں بھی، ہر وقت اور ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو، وہ سب منظرِ عام پر لائی جائے۔ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن آپ ﷺ کے گھر کے اندر کے حالات اور معاملات سنانے اور بتانے میں مصروف رہیں۔ مسجد نبوی ﷺ میں ایک چبوترہ اُن عقیدت مندوں کے لیے تھا، جن کے پاس رہنے کے لیے گھر نہیں تھے۔ یہ اصحابِ صُفّہ کہلاتے تھے جو اپنی اپنی باری پر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے، اس سے روزی حاصل کرتے اور باقی تمام وقت آپ ﷺ کے ملفوظات (ارشادات) سنتے، آپ ﷺ کے حالات دیکھتے اور آپ ﷺ کی صحبت میں وقت گزارتے۔ انھی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن سے زیادہ کسی صحابی نے آپ ﷺ کی احادیث بیان نہیں کیں۔

تمام کے تمام اصحابِ صُفّہ (۱) دن رات نہایت محبت اور ذوق شوق کے ساتھ' آپ ﷺ کے حالات دیکھنے اور انھیں دوسروں سے بیان کرنے میں مصروف رہا کرتے تھے۔ دن میں پانچ وقت مدینے میں رہنے والی تمام آبادی' دس برس تک مسلسل آپ ﷺ کی ایک ایک حرکت' سکون اور جنبش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتی تھی' غزوات اور لڑائیوں کے موقعے پر ہزاروں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دن رات آپ کے دیکھنے اور آپ ﷺ کے حالاتِ مبارک کی چھوٹی سے چھوٹی بات جاننے کا موقع ملا کرتا تھا۔ فتح مکّہ میں دس ہزار' غزوۂ تبوک میں تیس ہزار اور حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ ﷺ کی زیارت کے موقعے ملتے رہے۔ گویا گھر اور گھر سے باہر' صُفّہ اور مسجد' تعلیم کا حلقہ' میدانِ جنگ' غرض جس نے آپ ﷺ کو جس حال میں دیکھا' اسے آگے بیان کرنے کی نہ صرف اجازت تھی' بلکہ عام حکم اور تاکید تھی۔

دوستو! اب ایک اور حیثیت سے غور فرمائیے۔ جب انسان دوستوں' عقیدت مندوں اور چاہنے والوں کے درمیان ہوتا ہے' تو سب محبت بھری نگاہ ڈالتے ہیں۔ عقیدت مند اور محبت کرنے والے سب اس انسان کی خوبیوں پر نظر رکھتے ہیں اور عقیدت کے پھول برساتے ہیں۔ دیکھیے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ صرف اپنے پیروکاروں اور چاہنے والوں کے درمیان ہی نہیں رہے' بلکہ آپ ﷺ مکّے کے مجمعے میں کفار کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ نبوت سے پہلے چالیس برس آپ ﷺ کی زندگی' انھی کے ساتھ گزری۔ آپ ﷺ کی تاجرانہ زندگی' آپ ﷺ کے لین دین کی زندگی' خرید و فروخت' کاروبار اور دوسرے معاملات کی زندگی' جہاں قدم قدم پر بدنیتی' دھوکا' وعدہ خلافی اور خیانت کاری کے موقعے پیش آتے ہیں' لیکن آپ ﷺ تمام زندگی بے خوف و خطر ان تمام راستوں سے نہایت ایمانداری اور دیانت کے ساتھ گزرے۔ اسی معاشرے کے لوگوں نے آپ ﷺ کو "صادق" اور "امین" کا خطاب دیا۔ نبوت کے بعد بھی لوگوں کو آپ ﷺ پر اسی قدر اعتماد تھا کہ اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس ہی رکھوایا

---

(۱) اصحابِ صُفّہ: صُفّہ عربی میں چبوترے کو کہتے ہیں۔ "اصحابِ صُفّہ" سے مراد' اس چبوترے پر دین کی تعلیم حاصل کرنے والے لوگ ہیں۔

کرتے تھے۔ اسی اعتماد کو قائم رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے ہجرت کے موقعے پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکّے میں چھوڑا تھا کہ آپ ﷺ کے بعد وہ لوگوں کی امانتیں واپس کرسکیں۔

جب آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا' تو تمام قریش کے لوگ آپ ﷺ کے دشمن بن گئے۔ طرح طرح سے آپ کو تکالیف پہنچائیں اور دشمنیاں ظاہر کیں' آپ ﷺ سے لین دین بند کردیا' گالیاں دیں' راستے روکے' آپ پر گندگی اور کوڑا کرکٹ پھینکا' راستوں میں کانٹے بچھائے' پتھر برسائے' قتل کی سازشیں کیں۔ آپ ﷺ کو کبھی جادوگر کہا' کبھی شاعر اور کبھی مجنوں' لیکن اس کے باوجود کسی نے یہ جرأت نہ کی کہ وہ آپ ﷺ کے عمل اور اخلاق میں کوئی کمزوری یا معمولی سے معمولی خامی بھی نکال سکتا۔ ایک بار قریش کے بڑے بڑے رئیس محفل جمائے بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کا ذکر ہو رہا تھا۔ نضر بن حارث جو قریش کا سب سے زیادہ سمجھ دار اور تجربہ کار انسان تھا' کہنے لگا: ''اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے' تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے۔ محمد تمھارے سامنے بچے سے جوان ہوا وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ' سچا اور امانت دار تھا اور اب جبکہ اس کے بالوں میں سفیدی آ چلی اور تمھارے سامنے یہ باتیں پیش کیں' تو تم کہتے ہو کہ وہ ساحر (جادوگر) ہے' کاہن[1] ہے' شاعر ہے' مجنوں ہے' خدا کی قسم! میں نے اُس کی باتیں سنی ہیں۔ محمد میں یہ کوئی بات نہیں''۔

آنحضرت ﷺ کے اخلاق اور اعلیٰ سیرت کے بارے میں آیئے' دیکھیے کہ آپ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل کیا کہا کرتا تھا:

> ''محمد! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا' البتہ تم جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو' اس کو صحیح نہیں سمجھتا''۔

اسی طرح آپ کو وہ واقعہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ حکم ہوا کہ اپنے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ آپ ﷺ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا ''یا معشرِ قریش![2]'' جب سب لوگ جمع ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) کاہن: غیب کی خبریں دینے والا۔ جادوگر۔ فال نکالنے والا۔

(۲) معشرِ قریش: گروہِ قریش۔ قبیلہ قریش کے لوگ۔

''فَقَالَ أَرَأَيْتُكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا''(۱)

ترجمہ: ''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے آ رہا ہے تو کیا تم سب کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا: ''ہاں' کیونکہ ہم نے تم سے سچ کے سوا کچھ نہیں سنا۔''

ذرا غور فرمایئے کہ ہمارے آقا نبیِ کریم ﷺ کے اعلیٰ اخلاق' بلند کردار اور پاکیزہ سیرت کی گواہی دینے والے' یہ لوگ کون تھے؟

یہ کوئی دریا کے کنارے مچھلیاں پکڑنے والے جاہل اور سادہ لوح ماہی گیر نہ تھے اور نہ ہی فرعون کی قوم کی طرح کوئی غلام قوم تھی' بلکہ یہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے' جو اپنی عقل و دانش اور بہادری میں ممتاز مقام رکھتی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جنھوں نے آغاز سے لے کر موجودہ دور تک' کبھی کسی کی غلامی اور اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ ان کے تجارتی کاروبار ایران' مصر اور ایشیائے کوچک تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے' جن کی عقل اور ذہانت کے ثبوت قدم قدم پر ملتے تھے۔ انھوں نے معاشرے کے لیے قانون اور قاعدے بنائے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے' جنھوں نے ملکوں پر حکمرانیاں کیں اور حکومتوں کے نظام' نہایت خوبی اور کامیابی سے چلائے تھے۔

دوستو! کیا کوئی ایک لمحے کے لیے یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے عاقل' ذہین' پُر زور اور طاقتور انسانوں کی نگاہوں سے آنحضرت ﷺ کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا' یا وہ دھوکا کھا سکتے تھے' بلکہ یہی وہ لوگ تھے' جنھوں نے دینِ اسلام کی حقیقت کو سمجھا' پہچانا اور قبول کیا۔ انھی لوگوں نے آگے چل کر آقائے دو جہاں ﷺ کی مکمل پیروی کی' آپ ﷺ کی ایک ایک حرکت اور ادا کی نقل کرنا' اپنے لیے باعثِ عزت سمجھا۔ یہی لوگ تھے جو آپ ﷺ کے ایک ایک نقشِ قدم پر چلنا اپنے لیے دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ یہی آپ کی کاملیّت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ہمارے آقا

---

(۱) صحیح بخاری، باب قول اللہ عزوجل و انذر عشیرتك الاقربین، رقم الحدیث: ۴۷۷۰۔

حضرت محمد ﷺ نے اپنے حالات و واقعات پر کبھی کوئی پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ آپ جیسے تھے اور جس طرح اُس دور میں سب کو معلوم تھے آج بھی اسی طرح معلوم ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ کی زوجہ محترمہ جو نو (۹) برس تک آپ ﷺ کے ساتھ رہیں فرماتی ہیں کہ "اگر کوئی تم سے یہ بیان کرے کہ محمد ﷺ نے خدا تعالیٰ کے احکام میں سے کچھ چھپالیا اور مخلوق پر ظاہر نہیں کیا تو اس کو سچ نہ جانو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ پاک میں فرمایا ہے کہ:

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (۱)

ترجمہ: "اے رسول! تمھارے رب کی طرف سے تم پر جو کچھ اُترا، وہ لوگوں تک پہنچادو اور تم نے ایسا نہ کیا، تو تم نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا۔"

دنیا میں کوئی شخص بھی نہیں چاہتا کہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی کمزوری کا بھی سب کے سامنے کھل کر اظہار اور اعلان کردے، لیکن ہمارے آقائے دو جہاں حضرت محمد ﷺ کی عظمت ملاحظہ فرمائیے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی آیات بھی نازل فرمائیں، جن میں آنحضرت ﷺ کو نصیحت اور تنبیہ فرمائی گئی تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے وہ آیتیں پڑھ کر سنائیں، لوگوں نے اُنھیں یاد کیا، وہ آیتیں ان کے ماننے والوں کی زبانوں پر ہیں۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا کوئی پہلو تاریکی میں نہیں ہے۔ ایک پاک زندگی کی ہر چیز روشن ہوئی تھی اور وہ روشن کی گئی۔

دیکھیے، عام پیغمبروں کی زندگی کا یہ اصول رہا کہ انھیں پہلے ناواقفوں، یعنی باہر والوں نے مانا، تب جا کر گھر والوں کی باری آئی، لیکن آپ ﷺ کو سب سے پہلے ان لوگوں نے مانا، جو آپ ﷺ کے اخلاق، عادات اور حالات سے زیادہ واقف تھے اور ان میں سے ہر ایک نبی کریم ﷺ کے بارے میں اپنی محبت، اعتقاد اور ایمان کی آزمائش میں پورے اترے تھے۔ آپ ﷺ کی پیاری بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تین برس تک آپ کے ساتھ شعبِ ابی طالب (۲) میں قید رہیں، جہاں

(۱): سورۃ المائدۃ: آیت نمبر ۶۷۔ (۲): مکہ میں ایک گھاٹی کا نام۔

بھوک اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونا پڑا' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' نے اس وقت جب چاروں طرف دشمن تعاقب میں تھے' ہجرت کی رات اپنی بے مثال دوستی کا حق ادا کردیا' اسی رات آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے اُسی بستر پر سوئے' جس پر صبح کے وقت کئی تلواریں ٹوٹنے والی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ ﷺ کے خاص غلام تھے' ان کی محبت اور عقیدت کا یہ عالم تھا کہ پتہ ملنے پر اپنے باپ کے اصرار اور آپ ﷺ کی اجازت کے باوجود' انھوں نے اپنے روحانی باپ یعنی حضرت محمد ﷺ سے جدائی گوارا نہ کی اور تمام زندگی آپ ﷺ کے قدموں میں گزار دی۔

دوستو! عام لوگوں کی عقیدت' محبت اور جانثاری ملاحظہ کرنی ہو تو غزوۂ احد کا وہ مشہور واقعہ یاد کیجیے' جب قریش کے حملے کے نتیجے میں مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہوئیں اور کافروں نے آپ ﷺ پر حملہ کیا تو آپ ﷺ نے آواز دی کہ:

''مَنْ یَرُدُّھُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ، أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ؟ ''(۱)

ترجمہ: ''کون ہے کہ جوان کو مجھ سے ہٹائے اور جنت میں میرا رفیق بنے۔''

اس آواز کو سن کر ایک دم مدینے کے سات انصاری نکل آئے اور ایک ایک انصاری نے نہایت جانبازی سے لڑکر اپنی جانیں فدا کردیں۔ ایک انصاری صحابیہ ہند (۲) کے باپ' بھائی' شوہر اور بیٹا' چار پیاری جانیں اس معرکے میں کام آئیں۔ باری باری چار سخت حادثوں کی صدائیں ہند کے کانوں میں پڑتی تھیں اور وہ ہر بار صرف یہ پوچھتی تھیں کہ جانِ عالم رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں

---

(۱) صحیح مسلم ص۱۰۷ ج۲ غزوہ احد و رواہ احمد کما فی البدایة و النہایة ص۲٦ ج٤۔

(۲): انصاری صحابیہ ہند: حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی نے اپنے خطبے میں اس انصاری صحابیہ کا نام درج نہیں کیا تھا۔ سیرتِ نبوی ﷺ کے سلسلے میں ایک اہم نام مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا ہے' جنھوں نے کامل جستجو کے ساتھ انصار کے تمام انساب (نسل در نسل خاندان) کو چھان ڈالا اور بالآخر ان انصاری صحابیہ کا نام ''ہند'' تلاش کرلیا۔ اربابِ تاریخ و سیَر نے قاضی صاحب سے پہلے اس خاتون کا نام کہیں درج نہیں کیا تھا۔ (بحوالہ: مقدمہ از مولانا حسن مثنیٰ ندوی: محمد پیغمبر انسانیت از مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری' طبع سوم' ۱۹۹۰ء' ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ' لاہور)

نے بتایا کہ خیریت سے ہیں۔ انھوں نے پاس آ کر چہرۂ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اُٹھیں کہ ''یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں بہت چھوٹی ہیں۔''

آپ دیکھیے کہ یہ محبت' یہ عشق' یہ جاں نثاری اُن لوگوں میں تھی' جو آپ ﷺ کو ہر طرح اور ہر حیثیت سے جانتے تھے۔ کیا ایسے شخص کے ساتھ جس کی زندگی اس کے ساتھیوں اور رفیقوں کی نگاہ میں کامل نہ ہو' اس لائق ہوسکتی ہے کہ وہ اس پر یوں دیوانہ وار اپنی جانیں قربان کردیں۔

غور فرمایئے کہ انسان تو ایک طرف ہیں' خود اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے پیارے اور عظیم ترین پیغمبر کو انسانوں کے لیے نہ صرف کامل نمونہ بنایا' بلکہ آپ ﷺ کی پیروی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذریعہ بھی بنایا' جیسا کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی! ان لوگوں سے کہ دو کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (۱)

ترجمہ: ''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو' تو میری اتباع (پیروی) کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھاری خاطر تمھارے گناہ معاف کردے گا۔''

اب اس ایک نکتے پر بھی غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی پیروی اور آپ ﷺ کی نقل کو اپنی محبت کا معیار بتایا ہے۔ دین کے نشے میں سرمست ہو کر ایک لمحے میں اپنی جان دے دینا آسان ہے' مگر سوچیے کہ پوری عمر ہر چیز' ہر حالت اور کیفیت میں نبی کریم ﷺ کی زندگی کے عملی نقشے پر اس طرح چلنا کہ کسی بات میں بھی سنتِ محمدی ﷺ سے قدم اِدھر اُدھر نہ ہوں' یہ سب سے مشکل امتحان ہے' لیکن آپ دیکھیے کہ پیروی کے اس امتحان میں تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پورے اترے اور اسی جذبے کے تحت تابعین' تبع تابعین' محدثین اور مؤرخین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا یہ اہم فرض قرار دیا گیا کہ وہ آپ ﷺ کی ایک ایک بات' ایک ایک چیز اور ایک ایک ادا کو معلوم کریں اور ہر

(۱) سورۃ آل عمران: آیت نمبر: ۳۱۔

آنے والوں کو بتائیں، تاکہ اپنی اپنی محبت اور چاہت کے مطابق ہر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کرے۔ اس نکتے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی، ان کے جاننے والوں کی نگاہ میں پوری طرح کامل تھی، تبھی تو اس کی نقل کو انھوں نے بہترین معیار ٹھہرا کر، اس پر یقین اور عمل کیا۔

دینِ اسلام میں اور ہر مسلمان کی نگاہ میں، آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت ایک کامل نمونہ ہے، اس نمونے کے تمام پہلو، سب کے سامنے ہونے چاہییں، اس لیے وہ آج بھی سب کے سامنے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کے سلسلے کی کوئی کڑی گم نہیں ہے، کوئی واقعہ پردے کے اندر چھپا ہوا نہیں ہے، جو کچھ بھی ہے، وہ تاریخ کے صفحات پر آئینے کی طرح روشن ہے۔

صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک، پوری دنیا میں کروڑوں مسلمان نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ پر عمل کرتے آئے ہیں۔ گزشتہ ساڑھے چودہ سو برس سے دن رات، زندگی کے ہر شعبے میں سیرتِ رسول ﷺ کی پیروی کی گئی، جس کے نتیجے میں ایک ایسی تہذیب اور ایسا معاشرہ وجود میں آیا، جس کی مثال روئے زمین پر اس سے پہلے کہیں موجود نہ تھی۔ دنیا میں اسلام سے پہلے بابل، اسیریا، ہندوستان، چین، مصر، شام اور یونان جیسی بڑی بڑی سلطنتیں اور ان کے تہذیب وتمدن پیدا ہوئے۔ اخلاق کے بڑے بڑے نظریے اور ادب وشائستگی کے بڑے بڑے اصول بنائے گئے۔ یہ نظریے اور اخلاق بھی کئی صدیوں میں بنے، لیکن بگڑ گئے اور آخر کار فنا ہو گئے۔ اس کے برعکس آپ اسلام اور سیرتِ رسول ﷺ کا قائم کیا گیا اسلامی تمدن اور اسلامی تہذیب ملاحظہ فرمایئے، جو چند برسوں میں بنی، اور تعمیر ہوئی اور ساڑھے چودہ سو سال ہونے کو ہیں، یہ پوری دنیا کی سینکڑوں قوموں میں یکسانی کے ساتھ قائم ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کا ماخذ اور نمونہ ایک ہے اور وہ ہے، ہمارے آقا اور نبی آخر الزّماں حضرت محمد ﷺ کی زندگی۔ آپ ﷺ کی زندگی کے آئینے میں ہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی زندگی سجائی اور ان کی زندگیوں کا عکس تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اتارا اور ان کے بعد تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے بھی اسی

کی پیروی کی اور یوں رفتہ رفتہ چراغ سے چراغ جلتا رہا اور اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت، مسلمانوں کی پوری زندگی کا عمل اور دینِ اسلام کی رسم بن گئی۔ آپ ﷺ کی مقدس زندگی، گویا ایک مرکزی نقطہ تھی۔ اسی نقطے کے گرد گھومتے ہوئے صحابہِ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں نے، اسے ایک دائرہ بنا دیا ہے، جیسے سورج کے گرد ستاروں اور سیاروں کا ایک مکمل نظام چل رہا ہے۔ آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو برس پہلے کی وہ تہذیب اور تمدن ہمارے عمل میں آج بالکل ویسی کامل تو نہیں رہی، لیکن اس کے مکمل نقشِ قدم اب بھی اسی طرح روشن ہیں اور دن رات ہمیں دعوتِ عمل دیتے ہیں کہ ہم بھی اپنی زندگیوں کو، سیرتِ رسول ﷺ کے اسی مبارک دائرے کے اندر قائم رکھیں۔ آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے یہ نمونہ اور ''ماڈل'' صرف ایک شخص محمد ﷺ کی زندگی تھی، جو تمام صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کی زندگی بن گئی، وہی دنیائے اسلام کی زندگی بن گئی تھی اور وہی مکمل تصویر آج بھی پوری آب وتاب کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے۔

نبیِ کریم ﷺ کی سیرت کے کامل ہونے کا ایک اور ثبوت ملاحظہ فرمائیے کہ آج بھی افریقہ یا ہندوستان کا کوئی قبیلہ اگر عیسائی ہوتا ہے، تو اسے مذہبی تعلیم انجیل سے دی جاتی ہے، لیکن تہذیب و تمدن اور آدابِ زندگی کی عملی تربیت یورپی تہذیب سے دی جاتی ہے، کیونکہ آج عیسائیوں کے سامنے اصل انجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکمل زندگی کا ایسا مثالی نمونہ موجود نہیں ہے، جس کی نقل کر کے یہ لوگ، اپنی زندگی کی ہر حرکت اور عمل کو ایک باقاعدہ سانچے میں ڈھال سکیں۔ اس کے مقابلے میں آپ غور فرمائیے کہ وحشی سے وحشی قبیلہ بھی اگر مسلمان ہوتا ہے، تو اسے جہاں سے مذہب ملتا ہے، وہیں سے اس کی ضرورت اور حالات کے مطابق تہذیب وتمدن، پوری زندگی گزارنے کے مکمل طور طریقے اور آداب، پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ اور مثالی زندگی سے مل جاتے ہیں اور آخرکار نبیِ کریم ﷺ کی بولتی چالتی اور جیتی جاگتی تصویر، ہر مسلمان کی زندگی کی ہر حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہے۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے ایک صحابیِ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طنز کرتے ہوئے کہا تھا کہ

''تمھارا پیغمبر تمھیں ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے اور معمولی باتیں بھی سکھاتا ہے۔'' صحابیِ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت فخر کے ساتھ یہودی کو جواب دیا تھا کہ ''ہاں! ہمارا پیغمبر ہمیں ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے' یہاں تک کہ اس نے استنجا اور آب دست[1] کی بھی تعلیم دی ہے۔''

آج ہم نبی کریم ﷺ کی اس سیرتِ مبارکہ کو' جو کامل ترین تعلیم سے آراستہ ہے' نہایت فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں' جس میں کوئی کمی ہے نہ خامی۔ بس یوں سمجھنا چاہیے گویا سیرتِ محمد ﷺ پوری دنیا کا آئینہ خانہ ہے' جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم وروح' اپنے ظاہر وباطن' اپنے قول وفعل' اپنی زبان ودل' اپنے آداب ورسوم اور طور طریق کی اصلاح کر سکتا ہے' اسی لیے مسلمان قوم اپنی تربیت اور رہنمائی اور ضروریات کے لیے شائستگی' تہذیب اور اخلاق وآداب کا کوئی اصول' کوئی قاعدہ اور نظریہ کہیں باہر سے نہیں مانگتی' بلکہ صرف اور صرف اپنے آقا محمد ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے ہی طلب کرتی ہے۔ آج بھی کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یہی ہے کہ سیرتِ محمدی ﷺ صرف دنیائے اسلام کے مسلمانوں کے لیے ہی نہیں' بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ایک کامل نمونہ ہے' کیونکہ آپ ﷺ جیسی کامل اور جامع زندگی ہی' ہر قوم کے ہر انسان کے لیے دنیا اور آخرت' دونوں کی شاندار کامیابی کی آخری ضمانت ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

سکونِ جہاں تم کہاں ڈھونڈتے ہو
سکونِ جہاں ہے نظامِ مدینہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ

---

(۱) استنجا اور آب دست: پیشاب کرنے کے بعد پیشاب کی تری کو خشک کرنے کے لیے مٹی کے ڈھیلے کو استعمال کرنا اور اگر پانی دستیاب ہو تو ہاتھ میں پانی لے کر دھونا' آب دست کہلاتا ہے۔

پانچواں خطبہ

نبیِ کریم حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کی ''جامعیّت''

ہم یہ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں کہ کسی سیرت کے بہترین عملی نمونہ بننے کی تیسری شرط ''جامعیّت'' ہے۔ جامعیّت سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ہر طرح کے انسانوں کو اپنی ہدایت اور رہنمائی کے لیے، جن نمونوں اور مثالوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ سب اس آئیڈیل شخصیت کی سیرت اور زندگی میں مکمل طور پر جمع ہوں، تبھی وہ شخصیت جامع کہلائے گی اور جامعیّت کی شرط پر پوری اُترے گی۔ اس نقطۂ نظر سے بھی دیکھیے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ہمارے آقا خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ و السلام کے سوا کوئی دوسرے شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔

کبھی آپ نے سوچا کہ دین کیا ہے؟ اللہ اور اللہ کے بندوں کے درمیان حقوق و فرائض اور بندوں سے متعلق فرائض اور واجبات کو تسلیم کرنا اور انھیں ادا کرنا دراصل دین کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دین اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرنے کا نام ہے، اس لیے ہر مذہب کے پیروکاروں اور ماننے والوں کا فرض یہ قرار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق اور فرائض کو تلاش کر کے، اپنی زندگیوں کو بالکل انھی نمونوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔ جب آپ ان دونوں حیثیتوں یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حوالے سے تفصیلات تلاش کریں گے، تو یہ مثالیں آپ کو پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کی سیرت کے سوا کہیں اور ہرگز نہیں ملیں گی۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی وہ مکمل ''ماڈل'' ہے، جس کے بارے میں آج بھی مکمل طور پر ذرہ ذرہ تفصیل موجود ہے اور یہی حقیقت واضح کرتی ہے کہ

ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کے بہترین رسول ہیں۔

دوستو! انسانوں کے حقوق کے حوالے سے تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیے۔ اگر گوتم بُدھ کی زندگی ایک مثالی زندگی تھی، تو آج کی دنیا کے انسانوں کو اس میں کیا کشش محسوس ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی بیٹے اور تمام اہل وعیال کو چھوڑ کر جنگل میں چلا گیا، دوستوں کے حلقے سے بھی الگ ہو گیا۔ آج کی اس دنیا میں جہاں امیر بھی ہیں اور غریب بھی، حکمران بھی ہیں اور رعایا بھی، تاجر بھی ہیں اور سپہ سالار بھی، گوتم بُدھ کی زندگی ان سب کے لیے کوئی مثالی نمونہ نہیں بن سکتی۔

دوسری طرف آپ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی کا مطالعہ کرنے کے لیے، موجودہ تورات پوری کی پوری پڑھ ڈالیے، آپ کو ایک فقرہ بھی ایسا نہیں ملے گا، جس سے یہ پتہ چل سکے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے دلی تعلقات کی کیا کیفیت تھی، اللہ تعالیٰ پر ان کے توکل اور یقین کا معاملہ کیسا تھا، ان کے دل پر اللہ تعالیٰ کی صفات کا جلوہ کہاں تک تھا؟ ہمیں ان تفصیلات کے بارے میں بھی کچھ پتہ نہیں چلتا کہ بیماروں، یتیموں اور مسافروں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیسا برتاؤ تھا یا عزیزوں، رشتہ داروں اور دوست احباب کے ساتھ ان کا طرزِ عمل کیسا تھا؟ صلح کے فرائض میں ان کا طریقہ کار کیا تھا یا اپنے مال ودولت کو انھوں نے کن کاموں میں لگایا؟

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں تفصیلات کی جامعیت جاننے کے لیے اگر ہم انجیل سے رہنمائی حاصل کریں، تو ہمیں اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ خدا عیسیٰ کا باپ تھا (نعوذ باللہ) لیکن یہ حقیقت کہیں سامنے نہیں آتی کہ دنیاوی زندگی میں بیٹا "باپ" کا کس قدر فرماں بردار تھا۔ اسے اپنے "باپ" سے کس قدر محبت تھی اور کیا "آج کی روٹی" کے علاوہ بھی وہ اپنے باپ سے کچھ مانگا کرتا تھا۔ دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی اس لحاظ سے نامکمل تھی کہ آپ نے کبھی شادی ہی نہیں کی تھی، بھلا آپ کی زندگی شادی شدہ جوڑوں کے لیے کیسے نمونہ بن سکتی ہے؟ اگر آج تمام دنیا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا اندازِ زندگی اختیار کر لے، تو ہر قسم کی ترقی رک جائے گی۔ یورپ، امریکہ غرض ہر جگہ عیسائی تہذیب وتمدن کا وجود بکھر جائے گا اور آہستہ آہستہ

عیسائی دنیا قبرستان کی طرح سنسان ہو کر رہ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا اہل اور اللہ تعالیٰ کے پیار کا مستحق بننے کے لیے' جہاں ہر مذہب نے یہ تدبیر اور راستہ بتایا کہ اس مذہب کے پیش کرنے والے کی عمدہ نصیحتوں پر عمل کیا جائے' وہاں ہمارے دینِ اسلام نے سب سے بہتر تدبیر اور طریقہ اختیار کیا کہ پیغمبرِ اسلام محمد ﷺ کی عملی زندگی کا نمونہ سب کے سامنے رکھ دیا کہ اس بہترین سیرت کی تقلید اور پیروی کرو۔ پھر اسی پیروی کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور چاہت حاصل کرنے کا معیار اور ذریعہ بنا دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے قرآن میں یہ کہلوایا کہ "اے لوگو! اگر تمھیں اللہ کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری اتباع (پیروی) کرو تو خدا تمھیں پیار کرے گا"۔ اللہ کے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے لیے اس دنیا اور آخرت کی کامیابی کا جو نسخہ چھوڑ گئے' اس کا ذکر آپ ﷺ نے اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا:

"تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ. لَنْ تَضِلُّوا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا:

كِتَابَ اللهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّهِ۔"(۱)

ترجمہ: "میں تمھارے اندر دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں' جب تک ان کو پکڑے رہو گے' گمراہ نہیں ہو گے' کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سُنّت۔"

غور فرمایئے کہ ہمارے دینِ اسلام کی بنیاد انھی دو چیزوں پر ہے۔ اللہ کی کتاب سے مراد قرآنِ مجید ہے' جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکام ہم تک پہنچے اور سُنّت کے معنی "راستہ" کے ہیں یعنی وہ راستہ جس پر ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے۔ ہمارے دین میں سُنّت سے مراد ہے' آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا عملی نمونہ۔ اس عملی نمونے کی مکمل تصویر احادیث کی کتابوں میں الفاظ کی صورت میں آج بھی محفوظ اور ہمارے سامنے پوری طرح موجود ہے۔ غرض یہ کہ ایک مسلمان کے دین' دنیا اور آخرت تینوں کی کامیابی کے لیے اصل میں جس چیز کی ضرورت ہے وہ سُنّتِ نبوی ﷺ ہے۔

(۱) موطا امام مالك، باب النهى عن القول القدر، رقم ١٨٧٤۔

اب ذرا اس دنیا کے نظام پر غور فرمائیے۔ آپ دیکھیں گے کہ یہاں انسانوں کے مختلف طبقے ہیں' جو دنیا کے نظام کو چلانے کے لیے طرح طرح کے کاموں میں مصروف ہیں۔ اس دنیا میں بادشاہ بھی ہیں اور عوام بھی۔ غریب بھی ہیں اور امیر بھی۔ یہاں امن وامان قائم رکھنے کے لیے قاضیوں اور ججوں کے ساتھ ساتھ پولیس اور فوج کے افسروں کا ہونا بھی لازمی ہے۔ یہاں تاجر اور سوداگر ہیں' تو امام اور مذہبی رہنما بھی ہیں۔ اس دنیا میں انسانوں کے بیوی بچے بھی ہوتے ہیں۔ خاندان والے بھی اور دوست احباب بھی۔ راتوں کو جاگ کر اللہ کی عبادت کرنے والے عابد اور زاہد بھی ہیں' تو دوسری طرف سپاہی اور مجاہد بھی ہیں۔ اتنے مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے اور مختلف پیشے اختیار کرنے والے ان تمام انسانوں کو' بہترین اور کامل زندگی گزارنے کے لیے ہمارا دینِ اسلام جس ''ماڈل'' اور نمونے کی پیروی کی دعوت دیتا ہے' وہ صرف اور صرف سُنّتِ نبوی ﷺ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام اپنے نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مبارکہ کے اسی ''ماڈل'' میں' اِن تمام مختلف انسانوں کے لیے عملی مثالیں اور نمونے رکھتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ ہدایت اور رہبری کا چراغ بن کر' ان کی زندگیوں کے راستوں کو روشن کرسکتا ہے۔ یہ نظریہ اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی شخصیت کتنی جامع ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام انسانوں میں صرف اور صرف آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ ہی جامعیّت کی شرط پر پوری اترتی ہے۔

ابھی ہم نے ذکر کیا کہ تمام انسان مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں' جنھوں نے مختلف کام اور پیشے اختیار کر رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم سب انسان روز مرّہ کے مختلف کام بھی سرانجام دیتے ہیں۔ ہم کھاتے پیتے ہیں' اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے بھی ہیں۔ ہنستے بھی ہیں اور روتے بھی ہیں۔ نہاتے اور دھوتے بھی ہیں۔ کھاتے بھی ہیں اور دوسروں کو کھلاتے بھی ہیں۔ مرتے بھی ہیں اور مارتے بھی ہیں۔ اپنی جان دیتے بھی ہیں اور بچاتے بھی ہیں۔ احسان لیتے بھی ہیں اور کرتے بھی ہیں۔ ہم عبادت و دعا بھی کرتے ہیں اور مختلف کاروبار بھی۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ ان تمام کاموں کو سرانجام دینے کے لیے ہمیں عملی نمونوں اور مثالوں کی ضرورت ہوتی ہے' تاکہ ہم ان تمام کاموں کو اُن نمونوں اور

مثالوں کے مطابق بہترین انداز پر انجام دے سکیں۔ آپ دیکھیے کہ یہ تمام کام ایسے ہیں، جنھیں ہم اپنے جسم کے ظاہری حصوں یعنی ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک، زبان اور منہ سے کر لیتے ہیں۔

ان کے علاوہ ہمارے بہت سے اعمال اور کام ایسے بھی تو ہیں، جن کا تعلق دل اور دماغ سے ہے۔ ہم ہر لمحے ایک نئے احساس اور جذبے سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہم کبھی خوش ہوتے ہیں تو کبھی غم زدہ۔ کبھی ناراض ہیں تو کبھی راضی۔ کبھی ناکام ہوتے ہیں تو کبھی کامیاب۔ ان تمام حالتوں اور کیفیتوں میں ہم پر مختلف جذبات طاری ہو جاتے ہیں۔ ایک بہترین انسان بننے کے لیے ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ تمام کیفیات اور حالات میں ہمارے تمام احساسات اور جذبات نارمل اور متوازن رہیں۔ یہ حد سے آگے نہ نکلیں، تاکہ خود ہمیں بھی یا دوسروں کو ہم سے کوئی نقصان یا زیادتی نہ پہنچ جائے۔

ایسے تمام موقعوں پر ہمیں ہر حال میں ایک عملی سیرت کی ضرورت ہے، جو قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرے اور ہمیں ہدایت دے کہ ہمارا کھانا پینا، ہنسنا، رونا، نہانا دھونا، سونا جاگنا، احسان لینا اور کرنا، دعا و عبادت کرنا کس انداز سے ہو۔ خوشی، غمی، فتح، ناکامی، غصہ، انتقام جیسے جذبے اور حالتیں ہم پر طاری ہوں تو ہمیں کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟ اپنے اندر پیدا ہونے والی سرکش قوتوں کو لگام کیسے لگانی ہے؟ بہترین انسان بننے کے لیے ہمیں اپنے اندر قناعت، عزم، شجاعت، صبر، شکر، مصیبتوں کی برداشت، سخاوت، خاکساری، عاجزی اور اچھی بری تقدیر پر راضی رہنے کی خوبیاں اور اوصاف پیدا کرنے ہیں، تو کیسے کر سکتے ہیں؟

اللہ جل شانہٗ کا انسان پر یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے انسان کی مکمل تربیت، ہدایت اور رہنمائی کے لیے، جو مکمل ترین اور عظیم ترین شخصیت اور ''ماڈل'' ہمیں عطا فرمایا ہے، وہ صرف اور صرف ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ دیکھیے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ترین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس قدر جامع الصفات بنایا ہے۔ کون سی خوبی اور کون سا وصف ہے، جو آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں موجود نہیں۔ ذرا آپ ﷺ کے مقابلے میں دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرتیں ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت میں ہمیں بے پناہ

جوشیلا پن، سرگرمی اور شجاعت کا جوہر تو مل سکتا ہے، لیکن نرم اخلاق کا نہیں۔ دوسری طرف دیکھیے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے، مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں۔ ہمیں اس دنیا میں، اِن دونوں قوتوں کی ضرورت ہے، لیکن توازن اور اعتدال کے ساتھ۔ ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں دیکھنی ہوں، تو وہ صرف اور صرف ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس میں ہی مل سکتی ہیں، اس لیے تمام انسانوں کو وہ جہاں ہیں، جس حال اور جس حیثیت میں ہیں، دین، دنیا اور آخرت کی شاندار کامیابی کے لیے، جس نمونے اور جس سیرت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، وہ آنحضرت محمد ﷺ کی سیرتِ مبارکہ ہے۔

اس لیے دوستو! اگر تم دولت مند ہو، تو مکّے کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار (خزانہ رکھنے والا) کی کیفیت سنو۔ اگر بادشاہ ہو، تو سلطانِ عرب کا حال پڑھو۔ فاتح ہو، تو بدر و حنین (۱) کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ۔ اگر تم نے شکست کھائی ہو، تو معرکۂ اُحد (۲) سے عبرت حاصل کرو۔ اگر استاذ اور معلّم ہو، تو صُفّہ کے عظیم معلم (اُستاذ) کو دیکھو۔ اگر شاگرد ہو، تو روح الامین (۳) کے سامنے بیٹھنے اور قرآن سیکھنے والے پر نظر دوڑاؤ۔ دنیاوی کاموں کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہو، تو بنی نضیر (۴)،

---

(۱) بدر و حنین: یہ غزوۂ بدر اور غزوۂ حنین کی طرف اشارہ ہے۔ بدر کے مقام پر ۲ھ ہجری میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان یہ پہلی فیصلہ کن جنگ تھی۔

غزوۂ حنین: مکّہ اور طائف کے درمیان حنین کے مقام پر ۸ھ ہجری میں ہوازن اور ثقیف قبائل کے ساتھ یہ غزوہ درپیش ہوا۔

(۲) معرکۂ احد: ۳ھ ہجری میں احد کے مقام پر مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہونے والا معرکہ جس میں احد کی ایک پہاڑی پر متعیّن تیر اندازوں کی ایک ٹولی نے نبی کریم ﷺ کی حکم عدولی کی اور اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہوگئی۔ کفار نے موقع سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے حملہ کر دیا۔ گھمسان کی اس جنگ میں مسلمانوں کا بہت سا جانی نقصان ہوا۔ آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شھید ہوئے اور چہرے پر بھی زخم آئے۔ بعد ازاں مسلمانوں نے یہ جنگ جیت لی لیکن اس غزوہ میں مسلمانوں کے لیے عبرت کا سامان بھی ہوا۔

(۳) روح الامین: حضرت جبرائیل کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) بنی نضیر: بنو نضیر یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔

خیبر (۱) اور فدک (۲) کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور انتظام کو دیکھو۔ اگر یتیم ہو تو عبد اللّٰہ (۳) اور آمنہ (۴) کے جگر گوشے کو نہ بھولو۔ اگر بچے ہو تو حلیمہ سعدیہ (۵) کے لاڈلے بچے کو دیکھو۔ جوان ہو تو مکّے کے چرواہے (۶) کی سیرت پڑھو۔ اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث (۷) ہو تو کعبے میں طلوعِ آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے اس ثالث کو دیکھو، جو قریش کے سرداروں کے ہمراہ حجرِ اسود (۸) نصب کر رہا ہے۔ مدینے کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف (انصاف کرنے والا) کو دیکھو، جس کی نظرِ انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب سب برابر تھے۔ اگر تم شوہر ہو تو خدیجہ

---

(۱) خیبر: خیبر مدینے سے دو سو میل کے فاصلے پر ایک مقام، جہاں یہودی قبیلے، اپنی سازشوں اور وعدہ خلافیوں کے سبب جلاوطن کیے جانے پر آباد ہوئے۔

(۲) فدک: خیبر کی فتح کے بعد فدک کے یہودی بھی ہتھیار ڈال کر یہاں سے جلاوطن ہو گئے تھے۔ بنو نضیر، خیبر اور فدک سے جو مالِ غنیمت، قلعے اور باغات حاصل ہوئے، نبی کریم ﷺ ان کا بہترین انتظام فرمایا کرتے تھے اور قرآنی حکم کے مطابق یہاں کی آمدنی کو حق دار قریبی رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مہاجرین، انصار، غریب مسلمانوں اور اللّٰہ کے راستے میں خرچ کیا کرتے تھے۔

(۳) عبد اللّٰہ: نبی کریم ﷺ کے والدِ محترم، جو آپ کی پیدائش سے چند ماہ قبل وفات پا گئے اور آپ یتیم ہو گئے تھے۔

(۴) آمنہ: نبی کریم ﷺ کی والدہ محترمہ، آپ ﷺ چھے سال کے ہوئے تو والدہ محترمہ بھی وفات پا گئیں۔

(۵) حلیمہ سعدیہ: نبی کریم ﷺ کی دایہ، جو عرب کے رواج کے مطابق آپ کو پیدائش کے بعد دودھ پلانے اور پالنے پوسنے کے لیے اپنے گھر لے آئیں، نہایت محبت و شفقت اور خصوصی توجہ سے آپ کی پرورش کی۔

(۶) چرواہا: بھیڑ بکریوں کو پالنے اور رکھوالی کرنے والا۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح آپ ﷺ نے بھی لڑکپن اور نوجوانی میں کچھ عرصہ بھیڑ بکریاں چرائیں۔

(۷) ثالث: کسی جھگڑے میں فیصلہ کرانے والا۔

(۸) حجرِ اسود: خانۂ کعبہ کے دروازے کے بائیں طرف دیوار کے کونے میں نصب سیاہ رنگ کا پتھر، جسے حج اور عمرہ کرنے والے مسلمان، سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق طواف کے دوران چومتے ہیں۔ روایت ہے کہ یہ پتھر حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت سے لائے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی تعمیر کے دوران اسے دیوارِ کعبہ میں نصب کیا تھا۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہما کے مقدس شوہر کی پاکیزہ زندگی کا مطالعہ کرو۔ اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے نانا کا حال پوچھو۔ غرض تم جو کچھ بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو، تمھاری زندگی کے لیے نمونہ اور تمھاری سیرت کی درستی اور اصلاح کے لیے نورِ ہدایت صرف اور صرف، سرورِ کائنات محمد ﷺ کی کامل ترین اور جامع ترین سیرت کے خزانے ہی سے مل سکتا ہے۔

آج پوری دنیا کے سامنے نوح و ابراہیم، ایوب و یونس، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ و السلام سبھی کی سیرتیں موجود ہیں، لیکن ان سب کی سیرتوں کی مثال ایسی دکانوں کی طرح ہے، جہاں ایک ہی جیسی چیزیں ملتی ہوں، جبکہ ہمارے آقا حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سیرت اور ان کے اخلاق و اعمال گویا دنیا کا سب سے بڑا بازار یا ایک ایسا ڈیپارٹمینٹل سٹور ہے، جہاں ہر شے کے طلب گار اور ہر جنس کے خریدار کے لیے ہر قسم کا بہترین سامان موجود ہے۔

یہ صرف اور صرف ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ و السلام کی ہی ذاتِ مبارکہ ہے، جس میں ہمیں آدم علیہ الصلوٰۃ و السلام کا خُلق (اخلاق)، شیث علیہ الصلوٰۃ و السلام کی معرفت (اللہ کی پہچان)، نوح علیہ الصلوٰۃ و السلام کی شجاعت (بہادری)، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و السلام کی دوستی، اسماعیل علیہ الصلوٰۃ و السلام کی زبان، اسحاق علیہ الصلوٰۃ و السلام کی رضا، صالح علیہ الصلوٰۃ و السلام کی فصاحت (خوش بیانی)، لوط علیہ الصلوٰۃ و السلام کی حکمت (دانائی)، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سختی، ایوب علیہ الصلوٰۃ و السلام کا صبر، یونس علیہ الصلوٰۃ و السلام کی اطاعت (فرماں برداری)، حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ و السلام کا جوشِ جہاد، حضرت داوٗد علیہ الصلوٰۃ و السلام کی آواز، حضرت دانیال علیہ الصلوٰۃ و السلام کی محبت، حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ و السلام کا وقار، حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کی پاک دامنی اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کا زُہد و تقویٰ (پرہیز گاری) اکٹھا دکھائی دیتا ہے۔

تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام کے اوصاف اور خوبیاں مجموعی طور پر آپ ﷺ کی

ذاتِ اقدس میں اس طرح جمع ہو گئی تھیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ جامع الصفات بن گئی تھی۔ تمام انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کی سیرتوں کی جھلک دیکھنی ہو، تو مکّے کے پیغمبر کو ہجرت کر کے مدینہ جاتے ہوئے دیکھو، تمھیں مصر سے مدین ہجرت کرنے والے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یاد آئے گی۔ کوہِ حرا کے غار نشین اور کوہِ سینا پر اللہ سے ہم کلام ہونے والے پیغمبر میں کیسی یکسانیت نظر آتی ہے۔ بدر و حنین اور احزاب و تبوک والے اس سپہ سالار اور مدابیوں، عمونیوں اور اموریوں سے جنگ کرنے والے پیغمبر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کس قدر مماثلت[1] دکھائی دیتی ہے۔ کوہِ زیتون[2] پر وعظ کہنے والے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام اور کوہِ صفا پر چڑھ کر "یا معشرِ قریش" کہہ کر پکارنے والے، ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کتنی مشابہت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مکّے کے سات سرداروں کے حق میں بددعا کی، تو آپ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثل تھے، جنھوں نے معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانے والے فرعونیوں پر بددعا کی۔ غزوۂ احد میں اپنے قاتلوں اور دشمنوں کے حق میں دعا کرتے وقت، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام گویا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مماثل تھے، جنھوں نے کبھی اپنے دشمنوں کا برا نہ چاہا۔ چوبیس گھنٹوں میں آپ ﷺ کی زبانِ مبارک کی دعاؤں اور مناجاتوں (اللہ کی تعریفیں) کو سنو، تو زبور والے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گمان ہوگا۔ فتحِ مکّہ کی شان و شوکت اور دینِ اسلام کے جھنڈے تلے آپ ﷺ کو دیکھ کر شان و شوکت اور عظیم الشان فوجوں والے سلیمان علیہ الصلوٰۃ و السلام کا خیال گزرے گا۔ اگر شعبِ ابی طالب میں تین سال آپ کو اس طرح محصور دیکھو کہ کھانے کا سامان بھی نہ پہنچ سکے، تو تمھیں مصری قید خانے کے پیغمبر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور یاد آئیں گے۔

حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ گواہ ہے کہ جس قدر طرح طرح کے

(۱) مماثلت: ایک جیسی۔ برابری۔

(۲) کوہِ زیتون: ایک پہاڑ جو بیت المقدس کے ارد گرد واقع ہے۔

اوصاف آپ کی ذاتِ اقدس میں نظر آتے ہیں' کائنات نے ایسے اوصاف' کسی ایک انسان میں یوں جمع نہیں دیکھے ہوں گے۔ وہ بادشاہ ایسے کہ پورا ملک ان کی مٹھی میں' لیکن بے بس ایسے کہ خود اپنی ذات کو بھی اپنے قبضے میں نہ جانتے تھے' بلکہ اللّٰــــہ کے قبضے میں' وہ دولت مند ایسے کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے ان کے دارالحکومت میں آ رہے ہیں' لیکن خود ضرورت مند ایسے کہ مہینوں ان کے گھر میں چولھا نہ جلتا ہو اور اُن پر اور ان کے خاندان والوں پر کئی کئی وقت فاقے گزر جاتے ہوں۔ شجاع اور بہادر ایسے کہ ہزاروں کے مقابلے میں تن تنہا کھڑے ہوں اور نرم دل ایسے کہ انھوں نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا۔ عین اس وقت جب ہم انھیں شاہِ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں' وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے' کھردری چٹائی پر بیٹھے ایک درویش نظر آتے ہیں۔ عین اس دن جب عرب کے چاروں طرف سے آنے والے مال و اسباب کا ڈھیر ان کی مسجد کے صحن میں دکھائی دیتا ہے' ان کے گھر میں فاقے کی تیاری ہو رہی ہے۔ سارے عرب کے ذرّے ذرّے کی انھیں فکر' بیوی' بچوں کی انھیں فکر' غریب و مفلس مسلمانوں کی انھیں فکر' اللّٰہ کو بھولی ہوئی مخلوق کی سدھار اور تربیت کی انھیں فکر' لیکن اس کے ساتھ ساتھ بے تعلق بھی ایسے کہ اپنے اللّٰہ کے سوا کسی اور کی یاد انھیں نہ ہو۔

وہ ایسے رؤف و رحیم کہ اپنے ذاتی دشمنوں سے کبھی بدلہ نہ لیا ہو' بلکہ ان کے لیے دعائے خیر کی ہو۔ عین اس وقت جب انھیں ایک سپہ سالار کی حیثیت میں دیکھ رہے ہوں' تو وہ میدانِ جنگ کی راتوں میں جاگنے والے عابد و زاہد کی صورت میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ عین اس وقت جب آدھا عرب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نیچے ہے' حضرت عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ حاضرِ خدمت ہوتے ہیں تو آپ ﷺ کے گھر کی کل کائنات دیکھ کر رو پڑتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک کھرّی (سخت' کھردری) چارپائی پر آرام فرما رہے ہیں' جسمِ مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں' ایک طرف مُٹھی بھر جَو رکھے ہیں اور ایک کھونٹی پر پانی کا مشکیزہ لٹک رہا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عمر رضی اللّٰہ عنہ سے رونے کا سبب دریافت فرماتے ہیں۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ ''یارسول اللّٰـــہ ﷺ! قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ پیغمبر ہو کر اس حالت میں ہیں''۔ شاہِ عرب علیہ الصلوٰۃ والسلام

ارشاد فرماتے ہیں "اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت حاصل کریں۔"

آیئے! اب سیرتِ محمدی ﷺ کی جامعیّت کے ایک اور پہلو پر نظر دوڑاتے ہیں، جس سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ معلّمِ انسانیت کی حیثیت سے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا مقدس فرض کیسے ادا کیا اور درس گاہِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ ﷺ کے کیسے کیسے عظیم شاگرد اور روحانی بیٹے عالمِ وجود میں آئے۔ انھوں نے کس کس شعبے میں مہارت حاصل کی اور دنیا کے کونے کونے میں جا کر کس طرح انھوں نے دینِ اسلام کے جھنڈے گاڑے۔

دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرتیں بھی آپ کے سامنے ہیں، لیکن کامل ترین معلّمِ انسانیت جیسی درس گاہ آپ کو روئے زمین پر کہیں نظر نہیں آئے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا تھا کہ جیسے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، ویسے ہی درس گاہیں اپنے روحانی فرزندوں اور شاگردوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ آیئے اور دیگر تمام انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی درس گاہوں کا اچھی طرح جائزہ لے لیجیے، کہیں دس بیس، کہیں ساٹھ ستر، کہیں سو دو سو، کہیں ہزار دو ہزار تو کہیں پندرہ بیس ہزار طالب علم آپ کو دکھائی دیں گے، لیکن مدرسۂ نبوت کی آخری درس گاہ میں آپ کو ایک لاکھ سے زائد طالب علم بیک وقت نظر آئیں گے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ دوسری تمام درس گاہوں کے طالب علموں کی تفصیلات آج تاریخ کے سینے میں گم ہو چکی ہیں، لیکن درس گاہِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ایک طالب علم کا نام و نشان، اس طالب علم کی سوانح عمری اور حالات، اس کی تعلیم و تربیت کے نتائج، غرض ہر تفصیل آپ کو تاریخِ اسلام کے صفحات پر لکھی ہوئی ملے گی۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی درس گاہیں صرف خاص خاص علاقوں، خاص نسلوں اور خاندانوں تک محدود تھیں، اُن کے علاوہ دوسرے علاقوں کی نسلوں اور خاندانوں کو وہاں قدم تک رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ ذرا معلّمِ اسلام ﷺ کے شاگردوں کو تو ملاحظہ فرمایئے:۔

یہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین مکّے کے قریشی

طالب علم ہیں۔

یہ ابوذر اور انیس رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین مکّے سے باہر تہامہ کے غفاری قبیلے کے ہیں۔

یہ ابوہریرہ، طفیل بن عمرو، ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین یمن سے آئے ہیں۔

یہ بھلا کون ہیں؟ یہ ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ، ازد قبیلے کے فرد ہیں۔

قبیلہ تمیم سے خباب بن الارت رضی اللّٰہ عنہ اور عبدالقیس کے قبیلے سے منقذ بن حبان، منذر بن عائذ اور رضوان شیبہ رضی اللّٰہ عنہم اجمعین بحرین سے تشریف لائے ہیں۔

اور بھئی یہ کالے کالے سے کون ہیں؟ یہ ملکِ حبش کے رہنے والے بلال حبشی رضی اللّٰہ عنہ ہیں۔

اور اِدھر دیکھیے، یہ سیخبت اور مرکبود رضی اللّٰہ عنہما ہیں اور نسلاً ایرانی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ درس گاہِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ شاگرد، یہ روحانی فرزند، درس گاہ کی حدود اور اس کی چار دیواری میں قید نہیں ہیں۔ ۶ھ میں مکّے کے کافروں سے ہونے والی صلحِ حدیبیہ نے ان کے راستے وسیع کر دیے ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ کے حکم اور عین دینِ اسلام کی منشا کے مطابق، یہ جہاں چاہے جا کر اپنے دین کی دعوت اور تعلیم و تبلیغ کا مقدس کام کر سکتے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اپنے پیارے معلّمِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام لے کر بھلا یہ کہاں کہاں تک پہنچے؟ دنیا کی بڑی بڑی قوموں کے بادشاہوں اور سلاطین کے درباروں میں۔

یہ دِحیہ کلبی رضی اللّٰہ عنہ ہیں، جو اپنے اُستاذِ گرامی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے اُن کے سفیر اور پیغامبر بن کر قیصرِ روم ہرقل کے دربار میں کس رعب اور دبدبے سے پہنچتے ہیں۔ دوسری طرف عبد اللّٰہ بن حذافہ سہمی رضی اللّٰہ عنہ شاہِ ایران خسرو پرویز کی بارگاہ میں، حاطب بن

بلتعہ رضی اللہ عنہ عزیزِ مصر مقوقس کے یہاں، عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس، شجاع بن وہب الاسید رضی اللہ عنہ شام کے رئیس حارث غسانی کے پاس اور سلیط بن عمر رضی اللہ عنہ یمامہ کے رئیس کے درباروں میں، اپنے استاذِ مقدس ومحترم کے خطوط اور دعوت لے کر جاتے ہیں کہ آؤ! محمد ﷺ کی عظیم الشان اور انوکھی درس گاہ میں داخلہ سب کے لیے کھلا ہے۔ سب کے لیے عام اجازت ہے۔ یہ درس گاہِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ یہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم گاہ نہیں تھی کہ جہاں صرف فوج کے سپاہی، فوجی افسر، قاضی اور کچھ مذہبی عہدے دار پائے جاتے ہوں۔

اگر ہم عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی درس گاہ میں ان کے طالب علموں کا جائزہ لیں، تو ہمیں چند متقی اور زاہد قسم کے فقرا فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے، لیکن دوستو! آؤ اور دیکھو کہ یہ محمد ﷺ کی درس گاہ ہے کہ جہاں ہر حیثیت اور ہر درجے کا طالب علم موجود ہے۔ یہ حبش کا نجاشی بادشاہ اصحمہ رضی اللہ عنہ ہے، فردہ معان کا رئیس ذوالکلاع رضی اللہ عنہ ہے، حمیر کا رئیس عامر بن شہر رضی اللہ عنہ بھی ہے، قبیلۂ ہمدان کا رئیس فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ بھی یہاں حاضر ہے، یمن کے رئیس مرکبود رضی اللہ عنہ، عمان کے رئیس عبید اور جعفر رضی اللہ عنہما بھی موجود ہیں، تو دوسری طرف بلال، یاسر، صہیب، خباب، عمار اور ابوفکیہہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے غلام اور سمیّہ، زنیرہ، نہدیہ اور امِ عمیس رضی اللہ عنھن جیسی لونڈیاں بھی ہیں۔ کیا شان ہے اس درس گاہِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی، جہاں امیر وغریب، شاہ وگدا، آقا وغلام سب ایک ہی صف میں دکھائی دیتے ہیں۔

آیئے اور دیکھیے! کیسے کیسے عاقل، دانا اور خوبیوں والے فرماں روا، حکمرانی اور جہاں بانی کرنے والے، اس درس گاہِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلیم پا کر نکلے ہیں۔ ابوبکر صدیق ہیں، عمر فاروق ہیں، عثمان غنی ہیں، علی مرتضیٰ اور معاویہ بن ابی سفیان رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، جنھوں نے مشرق سے مغرب تک اور افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک حکمرانی کی۔ ان کی فرماں

روائی اور جہاں بانی کے انداز تو دیکھیے کہ جنھوں نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں اور حکومتوں کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے نظم ونسق اور سیاست و تدبیر کے کارناموں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ان کے عدل و انصاف نے رومی اور ایرانی سلطنتوں کے قوانین کو بے اثر اور بے کار کر دیا۔ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِن روحانی فرزندوں اور شاگردوں نے دنیا کی سیاسی اور انتظامی تاریخ میں ایسی شاندار مثالیں پیش کیں اور ایسا اعلیٰ درجہ حاصل کیا کہ جس کی مثال دنیا میں آج تک کوئی حکومت اور کوئی حکمران پیش نہ کر سکا۔

حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے جامع الصّفات معلّم کی اسی جامعہ نے خالد بن ولید، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن العاص اور ابو عبیدہ بن جراح رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین جیسے عظیم فاتح اور سپہ سالار تیار کیے، جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک سے، آج بھی تاریخ کے ایوان لرز رہے ہیں۔ ذرا ان کے کارنامے ملاحظہ فرمایئے:۔

یہ سعد رضی اللّٰہ عنہ ہیں، جنھوں نے عراق و ایران کا تاجِ شاہی اُتار کر اسلام کے قدموں میں ڈال دیا، یہ عمرو بن العاص رضی اللّٰہ عنہ ہیں، جنھوں نے فرعون کی سرزمین یعنی وادیٔ نیل کو رومی بادشاہ کے ظالم ہاتھوں سے زبردستی چھین لیا۔ یہ عبد اللّٰہ بن زبیر اور ابنِ ابی سرح رضی اللّٰہ عنہما ہیں، جنھوں نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے جیتا، تو یہ خالد بن ولید اور ابو عبیدہ رضی اللّٰہ عنہما ہیں جنھوں نے رومیوں کو شام سے نکال کر اُس سرزمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی، جہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دینِ حق پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔

یہ باذان بن ساسان، خالد بن سعید، مہاجر بن اُمیہ، زیاد بن لَبید، عمرو بن حزم، یزید بن ابی سفیان اور علاء بن حضرمی جیسے بیسیوں صحابہ رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین ایسے ہیں، جنھوں نے مختلف صوبوں اور شہروں میں مثالی حکومتیں قائم کر کے، اللّٰہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کی اور انھیں آرام پہنچایا۔

آیئے، دیکھیے! درس گاہِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ چوتھی صف بڑے بڑے علما اور فقہا کی

ہے، جنھوں نے اسلامی فقہ اور قانون کی بنیاد رکھی ۔ یہ عمر بن خطاب ، علی بن ابی طالب ، عبد اللہ بن عباس ، عبد اللہ بن مسعود ، عبد اللہ بن عمر ، عمرو بن العاص ، حضرت عائشہ ، حضرت اُمِّ سلمہ ، ابی بن کعب ، معاذ بن جبل ، زید بن ثابت اور ابنِ زبیر رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین ہیں، جنھوں نے دنیا کے قانون دانوں میں ایک خاص درجہ پایا۔

درس گاہِ محمدی ﷺ سے فارغ التحصیل ایک صف اُن شاگردوں کی ہے جو ''اصحابِ روایات وتاریخ'' کہلاتے ہیں۔ یہ خاص وہ شاگرد ہیں، جنھوں نے آنحضرت ﷺ کی احادیث کو روایت کیا۔ یہ قرآن اور دینِ اسلام کی تعلیمات، احکامات، سیرت اور شخصیتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تاریخِ اسلام کو نقل کرنے اور بیان کرنے والے ہیں۔ اس صف میں حضرت ابو ہریرہ ، حضرت انس بن مالک ، حضرت ابو موسیٰ اشعری ، حضرت عبادہ بن صامت ، حضرت ابو سعید خدری ، حضرت براء بن عاذب اور حضرت جابر بن عبد اللّٰہ رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین کے نام اسلامی تاریخ کے اوراق میں قیامت تک جگمگاتے رہیں گے۔

اب ذرا جامعہ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس چبوترے پر بھی نظر ڈال لیجیے۔ یہ اہلِ صُفّہ ہیں، جن کے پاس اس چبوترے کے سوا سر چھپانے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں۔ بدن پر پھٹے پرانے نامکمل کپڑوں کے علاوہ ان کی کوئی ملکیت نہیں۔ یہ دن کو اپنی اپنی باری پر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے ہیں، انھی کو بیچ کر خود کھاتے ہیں، کچھ اللّٰہ کی راہ میں دیتے ہیں۔ دن بھر اپنے استاذِ محترم محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دین سیکھتے ہیں اور رات کو اپنے پروردگار اللّٰہ جل شانہٗ کی عبادت میں بسر کرتے ہیں۔

محمد ﷺ کے اِن روحانی فرزندوں کا ساتواں رُخ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

یہ دیکھیے ! یہ دربارِ رسالت سے ''مسیح الاسلام'' (اسلام کو زندہ کرنے والا) کا خطاب پانے والے سب سے بڑے حق گو ابو ذر غفاری رضی اللّٰہ عنہٗ ہیں۔ یہ متقی اتنے ہیں کہ ان کے نزدیک آج

کا کھانا، کل کے لیے اٹھا رکھنا بھی ان کی شانِ توکل کے خلاف ہے'، اور یہ زہد و تقویٰ کی تصویر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ تیس برس دن رات کامل اطاعت اور عبادت میں زندگی بسر کرنے والے، یہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی یہاں موجود ہیں کہ جب انھیں خلیفہ بنانے کے لیے، اِن کے سامنے خلافت پیش کی گئی، تو فرمایا کہ ایسی خلافت، جس میں مسلمانوں کا ایک قطرۂ خون بھی گرے تو مجھے منظور نہیں ۔ یہ دیکھیے! اسلام سے پہلے قاقم(۱) اور حریر(۲) جیسے قیمتی لباس پہننے والے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اسلام لانے کے بعد یہ ٹاٹ اوڑھتے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے رہے اور شہادت اس حالت میں ہوئی کہ کفن کے لیے پورا کپڑا تک نہ ملا، پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن ہوئے۔ یہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ ہیں، جن کی راتیں نمازوں اور دن روزوں میں گزرتے تھے۔ انھی کے درمیان عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جو اسلام کے پہلے صوفی کہلاتے ہیں اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھی تو دیکھیے کہ جو فتنہ و فساد کے زمانے میں کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لے کر میرے حجرے میں قتل کرنے کے لیے داخل ہو جائے، تو میں اُس پروا نہیں کروں گا۔

ایک اور جانب دیکھیے! حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس یونیورسٹی میں دنیاوی کاروبار، تجارت اور کاشت کاری، سنبھالنے والے نہایت قابل اہل کار اور مدبّر پیشہ وروں کی جماعت بھی تو موجود ہے۔ جن میں طلحہ، زبیر، مغیرہ، مقداد، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، اسید بن حضیر، اسعد بن زرارہ اور عبد الرحمٰن بن عوف رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی عظیم شخصیات بھی شامل ہیں۔ کاروباری دنیا میں دیکھیے تو مکّے کے تاجر، بیوپاری اور مدینے کے کاشت کار اور کسان بھی ہیں اور عبد الرحمٰن بن عوف اور سعد بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے دولت مند بھی ہیں۔

دین کے راستے میں اپنی جان اور خون دینے والوں کی بھی یہاں کمی نہیں ہے۔ عیسائی

---

(۱) قاقم: ایک جانور کی سفید اور ملائم کھال، جس سے لباس بنائے جاتے ہیں۔

(۲) حریر: ایک قیمتی ریشمی کپڑا۔

مذہب کو اپنی اُس ایک سُولی پر ناز ہے، جس پر اُن کے عقیدے کے مطابق عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لٹکایا گیا تھا۔ اِدھر دیکھیے! اسلام کے راستے میں کتنی سُولیاں اور کیسی قتل گاہیں سجی ہیں۔ جب دینِ اسلام کے راستے میں قربانیوں کی ضرورت پڑی، درس گاہِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان پروانوں نے اللہ اور رسول کے نام پر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے اور اپنے مقدس خون سے دینِ اسلام کے چراغ کو روشن رکھا۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے فرزند ہالہ ہیں، جنھیں دین کے راستے میں تلواروں سے قیمہ کیا گیا۔ یہ اسلام کی پہلی شہیدہ عمار کی والدہ اور یاسر کی بیوی سُمیّہ رضی اللہ عنہا ہیں، جو ابوجہل کی برچھی کھا کر ہلاک ہوئیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تلوار کے سامنے گردن جھکائی، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کفار کی اذیتیں اٹھاتے اٹھاتے چل بسے، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے سولی پر جان دے دی، حرام بن ملحان اور اُن کے اُنہتر (۶۹) ساتھیوں رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کفار کے مختلف قبیلوں کے ہاتھوں بے کسی کے عالم میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ بنولحیان کے سو (۱۰۰) تیر اندازوں نے واقعۂ رجیع میں حضرت عاصم اور اُن کے سات رفیقوں کے بدن تیروں سے چھلنی کر ڈالے۔ ابنِ ابی العوجاء رضی اللہ عنہ کے انچاس (۴۹) ساتھی قبیلہ بنو سلیم کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اسی طرح حضرت کعب بن عمر غفاری بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ذاتِ اطلاح کے میدان میں شہید کیے گئے۔

آنحضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تربیت یافتہ ان شہیدوں کے لیے سُولی کی لکڑی، تلوار کی دھار اور برچھی کی اَنی (نوک) ایک وقتی تکلیف تھی، ذرا معلّمِ انسانیت کے اُن جانثاروں اور عاشقوں کا بھی تصور کر لیجیے، جن کی زندگیاں ان شہیدوں سے بھی زیادہ صبر و آزمائش کی زندگیاں تھیں اور جو سالہا سال حق گوئی کے جرم کی سزائیں گرفتار رہے۔ بلال رضی اللہ عنہ دوپہر کی جلتی ریگستانی ریت پر لٹائے جاتے اور سینے پر پتھر کی سِل رکھ دی جاتی، گلے میں رسی باندھ کر گلی گلی گھسیٹے جاتے۔ ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھیے، جن کے پاؤں میں رسی باندھ کر گھسیٹا جاتا، گلا دبایا جاتا، سینے پر اس قدر بھاری

پتھر رکھا جاتا کہ زبان منہ سے نکل نکل جاتی۔ یہ زبیر رضی اللہ عنہ ہیں، جنھیں اُن کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا کرتا تھا۔

دوستو! اب ذرا شعبِ ابی طالب کے اُن بے کس قیدیوں پر بھی نگاہ دوڑائیے، جنھوں نے تین برس طلح نامی درخت کے پتے کھائے، سوکھا چمڑا چبایا اور جن کے منہ، غیر فطری غذائیں کھا کھا کر زخمی ہو گئے تھے۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو رسیوں میں جکڑ کر پیٹا جاتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اُن کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا۔ خباب رضی اللہ عنہ کا حال سنیے! اسلام لائے تو دہکتے کوئلوں پر لٹائے گئے، یہاں تک کہ یہ دہکتے کوئلے ان کے جسم سے نکلنے والے خون اور چربی سے ہی ٹھنڈے ہو گئے۔ ان جواں مردوں کا حوصلہ اور صبر دیکھیے کہ آزمائش اور اذیت کے ان قیامت خیز لمحوں میں جب بھی پوچھا گیا، تو سب کی زبانوں پر صرف اللہ اور اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی کلمہ تھا۔ معلّمِ انسانیت کی یہ کیسی تعلیم تھی، جوان کے دل و دماغ سے مٹتی ہی نہ تھی، یہ کیسا نشہ تھا جو اُترتا ہی نہ تھا۔

دوستو! یہی غور کا مقام ہے۔ یاد رکھیے کہ کچھ عرصے پہلے کے، یہ وہی وحشی عرب، وہی جاہل، بداخلاق اور وہی کٹر بُت پرست ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ کیسا انقلاب آ گیا تھا؟ ایک اُمّی کی تعلیم، اِن جاہل اور بددماغ عربوں کو عاقل، روشن دل اور روشن دماغ کیسے بنا گئی؟ جو اللہ کے نام سے بھی ناآشنا اور ناواقف تھے وہ ایسے متقی، عابد، اطاعت گزار اور راتوں کو جاگ جاگ کر اللہ کے سامنے سجدے کرنے والے کیسے بن گئے؟ ایک امن پسند پیغمبر، جو ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہ رکھتا تھا، صرف اُس کے جوشِ تبلیغ نے بے بس اور بے کس عربوں کو عظیم سپہ سالار بنا کر، ایک انوکھی شجاعت اور زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر دیا؟

کیا آپ جان گئے ہیں کہ یہ معجزہ کیسے رونما ہوا اور یہ انقلاب کیوں کر آیا؟ صرف اور صرف اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی، انسانی کمالات اور اعلیٰ خوبیوں کا ایک کامل مجموعہ تھی۔ یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جامعیت اور صفات کا نور تھا، جو کبھی صدیق اور فاروق ہو کر ابوبکر اور عمر میں،

کبھی ذُوالنورین ہو کر عثمان میں اور مرتضیٰ ہو کر علی رضوان اللہ علیہم اجمعین میں چمکتا تھا۔ یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی سیرتِ مبارکہ کا مقدس عکس تھا، جو کبھی ابو ذر، ابنِ عمر، سلمان اور ابوالدرداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صورت میں مسجد و محراب میں اور کبھی خالد، عبیدہ اور جعفر طیار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سراپے میں سرایت کر کے میدانِ جہاد میں، بجلی بن کر کوندا کرتا تھا۔ یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی دانش، فہم اور علم و حکمت تھی، جو کبھی ابنِ عباس، ابنِ ابی کعب، زید بن ثابت اور عبد اللہ بن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صورت میں، درس گاہِ محمدی ﷺ میں نظر آتی تھی۔ یہ آپ ﷺ ہی کا استقلال، عزم اور صبر تھا، جو اذیت کے خوفناک لمحوں میں بلال، صہیب، عمار اور خبیب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی امتحان گاہوں میں، اُن کی روح کی تسلی اور تسکین کا پیغام بن جایا کرتا تھا۔

بس یوں سمجھ لیجیے، گویا حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجودِ مبارک، دنیا کو روشن کرنے والے سورج کی مانند تھا، جس کے اونچے پہاڑ، ریتلے میدان، سرسبز کھیت اور بہتی نہریں، سبھی اپنی اپنی قابلیت اور صلاحیت کے مطابق حرارت اور نور حاصل کیا کرتے تھے یا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارک، بہار کے اُس بادل کی طرح تھی، جو پہاڑ، ریگستان، جنگل، کھیت، میدان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی حیثیت اور قابلیت کے مطابق سیراب ہو رہا تھا اور قسم قسم کے درخت اور رنگا رنگ پھول اور پتے اُگ رہے تھے۔

یہ تمام کے تمام عاشقانِ رسول ﷺ جو کچھ بھی تھے، جہاں بھی تھے اور جو بھی کر رہے تھے، ایک ہی بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی، ایک ہی روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی۔ ان کے درمیان راستوں، رنگتوں اور مزاجوں کا فرق ضرور تھا، مگر ان کا خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا اور قبلہ ایک تھا۔ ان کے پیشِ نظر ایک ہی چیز تھی۔ ان کا نصب العین اور ان کا مقصد ایک تھا، یعنی اللہ کی مخلوق کی ہمدردی، اللہ کی اس دنیا کی درستی، اللہ کے نام کی بلندی اور اللہ کے دینِ اسلام کی ترقی۔ ہم ہر پہلو سے غور اور مطالعہ کر چکے اور یہ نتیجہ نکال چکے کہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی جامع شخصیت کے

سو اکل بھی، آج بھی اور قیامت تک کے لیے کوئی دائمی اور عالم گیر رہنما ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمادیا:

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ط

اگر تمھیں اللہ کی محبت کا دعویٰ ہے، تو میری پیروی کرو۔ اگر تم بادشاہ ہو، تو میری پیروی کرو، رعایا ہو، تو میری پیروی کرو، اگر تم سپہ سالار ہو یا سپاہی ہو، تو میری پیروی کرو، اگر دولت مند ہو، تو میری پیروی کرو، اگر غریب ہو، تو میری پیروی کرو، اگر تم اُستاذ اور معلّم ہو، تو میری پیروی کرو، اگر بے کس اور مظلوم ہو، تو میری پیروی کرو، اگر قوم کے خادم ہو، تو میری پیروی کرو۔ غرض تم جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لیے بلند سے بلند درجہ اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو، تو میری پیروی کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ط

حضور ﷺ کی طرزِ معاشرت کی ایک جھلک

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ کھلے دل کے تھے، بات کے سچے اور طبیعت کے نرم تھے، آپ ﷺ لوگوں سے میل جول میں بہت ہی کریم تھے، جو شخص آپ ﷺ کی دعوت کرتا آپ ﷺ اس کی دعوت قبول فرماتے، ہدیہ قبول فرماتے، اگر چہ وہ (ہدیہ دعوت کا کھانا) گائے یا بکری کا پایا ہی کیوں نہ ہوتا، اور ہدیہ کا بدلہ بھی دیتے تھے، دعوت سب کی قبول فرماتے، خواہ دعوت دینے والا غلام، آزاد اور باندی اور غریب ہی کیوں نہ ہوتا، مدینہ کے آخری کنارے پر بھی کوئی مریض رہتا، آپ اس کی عیادت فرماتے، اور معذرت کرنے والے کا عذر قبول فرماتے، اور اپنے اصحاب سے مصافحہ میں پہل فرماتے۔ (نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ، اکیسویں فصل، وصل: ۱۲)

چھٹا خطبہ

نبیِ کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کی ''عملیّت''

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط (۱)

ترجمہ: ''(لوگو!) حقیقت یہ ہے کہ تمھارے لیے اللّٰہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

ایک مثالی سیرت اور ''آئیڈیل لائف'' کے لیے جو معیار اور چار شرائط رکھی گئی تھیں، اُن میں سب سے آخری شرط ''عملیّت'' ہے۔ عملیّت سے مراد یہ ہے کہ دین کو پیش کرنے والا، جس تعلیم کو انسانوں کے سامنے پیش کر رہا ہے، کیا وہ خود بھی اُس تعلیم پر عمل پیرا ہے؟ کیا اُس کی ذات اُن تعلیمات کا نمونہ ہے؟ اور کیا خود اُس کے عمل نے اُن تعلیمات کی مثالیں قائم کر کے، یہ ثابت کیا کہ اُس کی پیش کی گئی زندگی کا نقشہ کتنا اور کس حد تک قابلِ عمل ہے؟

لوگوں کے سامنے دل لبھانے والے نظریات، دلچسپ باتیں اور اپنے اونچے اونچے اصول بیان کرنا نہایت آسان کام ہے، لیکن سب سے مشکل کام، ہر وقت اپنے بہترین عمل کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا ہے۔ انسانی سیرت کے بہترین اور کامل ہونے کا ثبوت یہ نہیں ہے کہ خالی دعوے کیے جائیں، نیک اور پاکیزہ اقوال بیان کیے جائیں، بلکہ اچھے اعمال اور کارناموں کو دکھا کر ہی کوئی شخصیت اعلیٰ اور بہترین کہلانے کی مستحق بنتی ہے۔ مفید نصیحتوں اور میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیمات کی دنیا میں کمی نہیں ہے، کمی جس چیز کی ہے، وہ کام اور عمل ہے۔ دین کے میدان میں بھی دیکھ لیجیے۔ مختلف مذاہب کے بانیوں کی شخصیات اور کرداروں کا بھی مطالعہ کر لیجیے، اِن کی سیرتوں کے تمام صفحات پڑھ

(۱): سورۃ الاحزاب: آیت نمبر ۲۱۔

ڈالیے، ان میں آپ کو دلچسپ نظریات ملیں گے یا بڑی بڑی نصیحتیں اور احکامات۔ حیران کر دینے والے اور دل کو کھینچنے والے قصے، کہانیاں اور واقعات بھی دکھائی دیں گے۔ بڑی بڑی تقریروں کا زور و شور اور جوش و خروش بھی نظر آئے گا، لیکن اصل چیز جو نہیں ملے گی، وہ ہے عمل اور کام، یعنی اپنے احکامات اور نصیحتوں پر خود بھی عمل کر کے دکھانا۔

اچھے اور نیک عمل دو طریقوں سے کیے جاتے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اپنی ذات کو برے اعمال سے روکنے کے لیے، اُس ماحول سے کٹ کر اور ہٹ کر زندگی گزارنا، مثلاً آپ اپنے معاشرے سے الگ ہو کر کسی پہاڑ کی غار میں عمر بھر کے لیے بیٹھ جائیں۔ اب آپ کے اس عمل کے بارے میں یہ کہنا تو درست ہے کہ آپ نے بدی اور برائی سے پرہیز کیا، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ نے برائیوں اور گمراہیوں سے بھرے ہوئے، اسی ماحول کے اندر رہ کر، کسی غریب کی مدد کی؟ محتاجوں کو کھانا کھلایا؟ کمزوروں کی حمایت اور ظالموں کا مقابلہ کیا؟ کیا آپ نے بھٹکنے والوں کو سنبھالا؟ گمراہ لوگوں کو راستہ دکھایا؟ کیا عفو، مہربانی، سخاوت، مہمان نوازی اور حق گوئی کے سلسلے میں، آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا؟

غور فرمایئے کہ جس شخص نے کبھی اپنے دشمن پر فتح نہ پائی ہو، وہ عفو و درگزر اور معاف کرنے کی مثال کیسے پیش کر سکتا ہے؟ جس کے پاس خود کچھ نہ ہو، وہ غریبوں اور یتیموں کی مدد کیسے کر سکتا ہے؟ یہ دنیا آپس کے تعلقات سے آباد ہے، لیکن جو شخص اپنے بیوی بچے، رشتے دار اور دوست احباب نہ رکھتا ہو، وہ دنیا کے لیے بہترین تعلقات کی مثال یا نمونہ کیسے بن سکتا ہے؟ جس شخص نے کبھی بیماروں کی تیمارداری اور عیادت نہ کی ہو، وہ اس کے بارے میں وعظ و نصیحت کیسے کر سکتا ہے؟ جس شخص کو کبھی دوسروں کو معاف کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو، اس کی زندگی غصے والے اور انتقام لینے والے لوگوں کے لیے نمونہ کیسے بنے گی؟

دوستو! یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ایک شخص نے کبھی کسی کو مارا نہیں، کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، کسی کو قتل نہیں کیا، یہ سب بہت اچھے عمل ہیں کہ اُس نے اپنی ذات کو بُرے کام کرنے سے روکا لیکن

اگر اُس نے خود قتل نہیں کیا، تو کیا کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ مانا کہ اُس نے کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، لیکن کیا اُس نے کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال اُس نے نہیں چھینا، لیکن کیا کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لیے کوئی گھر نہیں بنایا، تو کیا کسی بے گھر کو پناہ بھی دی؟ اپنے لیے کچھ جمع نہیں کیا، لیکن کیا اُس نے دوسروں کو کچھ دیا؟

یہ حقیقت ہے کہ اعلیٰ سیرت صرف وہی کہلا سکتی ہے، جس میں انسانی خوبیوں کے ثبوت بھی سامنے موجود ہوں اور انھی کا نام عمل ہے۔ تمام مذاہب کے بانیوں کی سیرتیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اعلیٰ ترین اور کامل ترین سیرت کے لیے جو آخری معیار، یعنی ''عملیّت'' کا تعلق ہے، تو اس شرط پر صرف اور صرف نبیِ کریم ﷺ بلند ترین درجے اور مرتبے پر دکھائی دیتے ہیں۔ آج تک کسی آسمانی کتاب نے اپنی نبی کے بارے میں اس طرح کھلی گواہی نہیں دی کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بلند ترین انسان تھا، لیکن قرآن نے صاف اور واضح الفاظ میں نبیِ آخر الزّماں ﷺ کے بارے میں اعلان فرمایا:

وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ ۝ (۱)

ترجمہ: ''(اے پیغمبر!) اور یقین جانو تمھارے لیے ایسا اجر ہے، جو کبھی ختم نہیں ہو گا۔ اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو۔''

اس آیتِ مبارکہ کے پہلے حصے میں اللّٰہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ فرمایا ہے اور دوسرے حصے میں آپ ﷺ کے عمل اور اخلاق کو دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے اعمال اور اخلاق خود اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ ﷺ کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

قرآنِ کریم میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝ (۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔''

اور اس اعلان کا آپ کو پورا پورا حق تھا، کیونکہ آپ ﷺ نے جو کچھ کہا، اُسے ویسے ہی کر کے

(۱): سورۃ القلم: آیت نمبر ۳، ۴۔
(۲): سورۃ الصف: آیت نمبر ۲۔

دکھایا بھی۔ قرآنِ پاک میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی خوبیوں اور اعلیٰ سیرت کی گواہی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝(۱)

ترجمہ: ''لوگو! تمھارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے، جو تمھی میں سے ہے، جس کو تمھاری ہر تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمھاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔''

یعنی اللہ پاک خود نبیِ کریم ﷺ کی خوبیوں کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ، لوگوں کو احساس دلا رہے ہیں کہ لوگو! تمھارا تکلیف و مصیبت اٹھانا، حق کے قبول سے انکار کرنا اور اپنی جہالت و گناہ گاری پر اس طرح ڈٹے رہنا، رسول ﷺ پر گراں گزرتا ہے۔ وہ تمھاری بھلائی اور خیر خواہی چاہتا ہے۔ انسانوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ہی، اُسے تمھاری دعوتِ دین، تبلیغ اور نصیحت پر آمادہ کرتا ہے اور جو لوگ اس کی دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں، وہ اُن کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔

غور فرمایئے کہ نبی کریم ﷺ عملی طور پر تمام انسانوں کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے اور مسلمانوں کے ساتھ خاص طور پر مہربان اور شفیق تھے۔ آپ ﷺ کے عملی اخلاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی آسمانی گواہی موجود ہے۔ ایک عملی پیغمبر کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارکہ، دراصل قرآنِ پاک کی عملی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب بھی، جو حکم آپ ﷺ پر اُتارا، آپ ﷺ نے خود اسے کر کے دکھایا اور ہمیشہ اس حکم کی پابندی فرمائی۔ ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، جہاد، ایثار اور قربانی، عزم و استقلال، صبر و شکر، ان کے علاوہ اچھے اخلاق اور اچھے اعمال کی باتیں، جس قدر آپ نے فرمائیں، اُن کے لیے سب سے پہلے، آپ ﷺ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا اور مثال

(۱): سورۃ التوبۃ: آیت نمبر ۱۲۸۔

قائم کی۔ جو کچھ قرآن میں تھا، وہ مکمل تصویر بن کر آپ کی زندگی میں نظر آیا۔ ایک مرتبہ چند صحابی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا اُمّ المؤمنین! حضور ﷺ کے اخلاق اور معمولات بیان فرمایئے۔ اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا، کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟

كَانَ خُلُقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَلْقُرْآنَ(۱)

یعنی ''آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔''

بس یوں سمجھ لیجیے کہ قرآنِ پاک الفاظ اور عبارت ہے، تو نبیِ کریم ﷺ کی سیرت اس کی عملی تفسیر ہے۔

آنحضرت ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی ہوئے پندرہ سال ہو چکے تھے۔ آپ غور کیجیے کہ یہ اتنی بڑی مدت ہے، جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات و خصائل اور طور طریقے سے، اچھی طرح واقف ہو سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ جب نبوت کی ذمہ داریوں کے بوجھ سے گھبراتے ہیں، تو دیکھیے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کن الفاظ میں آپ ﷺ کو تسلی دیتی ہیں:

''اُس اللہ کی قسم، جس کے قبضے میں خدیجہ کی جان ہے، مجھے امید ہے کہ آپ کو اس امت کی پیغمبری پر فائز کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے وقار میں فرق نہیں آنے دے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ صدق مقالی (سچ بولنا) آپ کا شیوہ ہے۔ دوسروں کے لیے تکالیف برداشت کرنا آپ کا خاصہ ہے۔ مہمانوں کی خاطر مدارات کی راہ میں آپ مصائب و آلام، مردانہ وار برداشت کرتے ہیں۔''

رشتے داروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ فرد ہیں، جو بچپن سے جوانی تک آنحضرت

(۱): سنن ابی داؤد، رقم: ۲٦٤٥۔ سنن نسائی، رقم: ۱۱۲۸۷۔ مستدرك حاكم، تفسير سورة المؤمنون، رقم: ۳٤۸۱۔

ﷺ کی خدمتِ اقدس میں رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''آپ ﷺ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے۔ لوگ آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے۔ آپ ﷺ کو پہلی دفعہ جو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے وہ آپ ﷺ سے ملتا جلتا آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔''(۱)

آیئے، اب نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ اوصاف اور کردار کی بلندی کے بارے میں اُن کے سوتیلے بیٹے حضرت ہند رضی اللہ عنہ کی رائے سنتے ہیں، جنھوں نے آپ ﷺ کے زیرِ سایہ پرورش پائی تھی۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ:

''آپ ﷺ کی طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کہتے تھے، کھانا جیسا سامنے آتا تھا کھا لیتے، کھانے کو برا نہ کہتے۔ آپ ﷺ کو اپنے ذاتی معاملے میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔ نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے تھے اور نہ کسی کی دل شکنی (دل توڑنا) گوارا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق بات کی مخالفت کرتا، تو حق کی طرف داری میں آپ ﷺ کو غصہ آجاتا اور اس حق کی، آپ ﷺ پوری حمایت فرماتے۔''(۲)

دیکھیے، آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے خوبصورت اور روشن پہلو یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک پیغمبر کی حیثیت سے، اپنے پیروکاروں اور تقلید کرنے والوں کو جو نصیحت فرمائی، اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھا دیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کی یاد اور محبت کی نصیحت فرمائی۔ آیئے، دیکھتے ہیں کہ خود آپ کی مبارک زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی؟

ملاحظہ فرمایئے کہ دن اور رات میں شاید ہی کوئی ایسا لمحہ تھا، جب آپ ﷺ کا پاکیزہ دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور آپ ﷺ کی زبانِ مبارک اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے

---

(۱): شمائلِ ترمذی۔ (۲): ایضاً۔

پھرتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے، پہنتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر جاری رہتی تھی۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اچھے اور نیک بندوں کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ
وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ(۱)

ترجمہ: ”وہ لوگ جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں۔“

آپ ﷺ کی ذاتِ مبارک قرآن کی اِس آیت کی مکمل تصویر تھی۔ آج حدیث کی کتابوں کا ایک بہت بڑا حصہ، اُن مبارک کلمات اور دعاؤں پر مشتمل، ہمارے درمیان موجود ہے، جو مختلف موقعوں، مختلف وقتوں اور مختلف حالات میں، آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئیں۔ ”حصنِ حصین“ دعاؤں کی ایک ایسی کتاب ہے، جس میں مختلف موقعوں پر نبیِ کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے ادا کی گئیں دعاؤں کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب دو سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے ایک ایک فقرے سے اللہ تعالیٰ کی محبت، عظمت، رُعب وجلال اور اللہ تعالیٰ کا خوف نمایاں ہوتا ہے۔ یہ تمام وہ دعائیں ہیں جن سے آپ ﷺ کی زبانِ اقدس ہر وقت تر رہتی تھی۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا۔ ذرا دیکھیے تو، خود آپ ﷺ کی نماز کا کیا حال تھا؟ عام مسلمانوں کو تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر آپ ﷺ خود آٹھ وقت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اب نماز کی حالت بھی ملاحظہ فرمایئے کہ آپ نماز میں رات رات بھر کھڑے رہتے، حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک پر ورم آجاتا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرتیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر طرح معاف فرما دیا ہے، پھر آپ ﷺ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ ﷺ فرماتے:

---

(۱): سورۃ آلِ عمران: آیت نمبر ۱۹۱۔

''يَا عَائِشَةُ أَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا''(۱)

ترجمہ: ''اے عائشہ! کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

گویا یہ نماز اللہ کے خوف سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی شکر گزاری کے لیے ادا کی جاتی تھی۔ آپ ﷺ رکوع کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے سمجھتے کہ شاید آپ ﷺ سجدہ کرنا بھول گئے ہیں۔ جب آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوّت عطا فرمائی تھی، تو آپ نبوّت کے آغاز سے ہی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نماز ادا کرنے کے لیے حرم شریف میں تشریف لے جاتے اور کفار کے سامنے نماز پڑھتے۔ کئی بار نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپ ﷺ پر حملہ بھی کیا، کوڑا کرکٹ اور گندگی بھی پھینکی، مگر اس پر بھی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی یاد سے کبھی باز نہ آئے۔ جنگ کے دوران جب کافروں کی فوجیں مقابلے پر ہوتیں، تیر اور خنجر چلتے لیکن جب نماز کا وقت آتا، تو فوراً صفیں درست ہو جاتیں۔ پوری زندگی میں دو موقعوں کے علاوہ آپ ﷺ کی نماز کبھی قضا نہ ہوئی(۲)۔ وفات سے قبل جب آپ ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے، بخار کی شدت تھی، لیکن اس کے باوجود آپ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے کندھوں کا سہارا لے کر مسجد نبوی ﷺ میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لائے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے، یہ تھا اللہ تعالیٰ کی عبادت گزاری اور یاد کا عملی نمونہ۔ یہی آپ ﷺ کی زندگی کا نقشہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

---

(۱): صحيح بخاري، باب ليغفر لك ما تقدم من ذنبك و ما تاخر، رقم: ٤٨٣٧۔

(۲): غزوۂ خندق کے دوران ایک دن تیروں اور پتھروں کی اتنی بارش کی گئی کہ مسلمانوں کے لیے نماز ادا کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ اس دن نصف شب کے بعد نماز ظہر، عصر، مغرب اور عشاء ایک ساتھ ادا کی گئیں۔ ایک اذان اور چار اقامتیں کہی گئیں۔ دوسرا موقع وہ تھا جب فتح خیبر کے بعد نبی کریم ﷺ نے وادی القریٰ اور تیما کی فتح کے بعد مدینہ منورہ کی واپسی کے دوران ایک وادی میں اخیر شب میں آرام لینے کی غرض سے نزول فرمایا۔ اتفاق سے کسی کی آنکھ نہ کھلی، یہاں تک کہ سورج بلند ہو گیا۔ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ گھبرا کر اٹھے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جگا کر اس وادی سے کوچ کرنے کا حکم دیا کہ یہاں شیطان ہے۔ اس وادی سے نکل کر آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو ''اذان'' کا حکم دیا۔ دو رکعت سنتیں پڑھیں، بعد از اں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ صبح کی نماز قضا کی گئی۔

۲ھ میں اللہ پاک نے روزے رکھنے کا حکم فرمایا' تو عام مسلمانوں پر سال بھر میں تیس روزے فرض تھے' مگر ذرا دیکھیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیفیت کیا تھی۔ کوئی ہفتہ' کوئی مہینہ' روزوں سے خالی نہ ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ روزے رکھنے پر آتے' تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہیں کریں گے۔ شعبان اور رمضان کے مہینے' روزوں میں گزر جاتے۔ ہر مہینے کے ایامِ بیض (اسلامی مہینے کی تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ) میں آپ ﷺ اکثر روزے رکھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ محرّم کے دس دن اور شوال کے چھے دن روزوں میں گزرتے اور اکثر ہفتے میں پیر اور جمعرات کا دن بھی روزوں میں بسر ہوتا۔

جب مسلمانوں کے لیے زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا' تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ لوگوں کو قرآنِ مجید کا یہ حکم سنایا: وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ یعنی اپنی کمائی میں سے دوسروں کو دے کر خدا کا حق بھی ادا کرو، مگر خود اپنا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا' اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ فرما دیا۔ اللہ کے اس سخی کا حال ملاحظہ فرمایئے کہ فتحِ خیبر کے بعد ۷ھ سے یہ معمول تھا کہ تمام ازواجِ مطہّرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کو سال بھر کے خرچ کے لیے غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا' لیکن سال ختم ہونے سے پہلے ان کے گھروں میں فاقے پر فاقے شروع ہو جاتے کیونکہ اس غلے کا بڑا حصہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی کے سوال کے جواب میں ''نہیں'' کا لفظ ادا نہیں فرمایا۔ کبھی کوئی چیز تنہا تناول نہیں فرمائی' چیز خواہ کتنی تھوڑی ہوتی' تمام حاضرین کو اس میں شریک کر لیا کرتے تھے۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عام لوگوں میں یہ اعلان فرما دیا تھا:

أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاءُ (۱)

''میں مسلمانوں کا حق دار' اُن کی اپنی ذات سے بھی زیادہ ہوں' اس لیے جب

(۱): ترمذی، ج ۱، ص ۲۰۵۔

مسلمانوں میں کوئی وفات پا جائے اور اس پر قرضہ ہو تو میرے ذمے ہے کہ اس کا قرض ادا کروں۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

یَا أَبَا ذَرٍّ: مَا يَسُرُّنِي أَنْ عِنْدِي مِثْلَ أُحُدٍ هَذَا ذَهَبًا تَمْضِي عَلَيَّ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ (۱)

"اے ابوذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے' تو میں کبھی پسند نہیں کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے' البتہ یہ کہ کسی کے قرض کو ادا کرنے کے لیے رکھ چھوڑوں۔"

ایک بار بحرین سے خراج کا لدا ہوا خزانہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا۔ فرمایا کہ مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں ڈال دو۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز کے لیے مسجد تشریف لائے تو دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خزانے کے اس بڑے ڈھیر کی طرف' نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نماز ادا کرنے کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور سب کچھ تقسیم فرمانے کے بعد' دامن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے' گویا کوئی غبار (گرد) تھا جو دامنِ مبارک پر پڑ گیا تھا۔

ایک دفعہ ایک اکھڑ اور جاہل بدّو نے آ کر کہا "اے محمد! یہ مال نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا' میرے اونٹ کو لاد دے۔" آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صبر اور تحمل ملاحظہ فرمایئے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اس کے اندازِ گفتگو کا بُرا نہ مانا اور اُسی وقت اُس کے اونٹ کو کھجوروں اور جَو سے لدوا دیا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرمایا کرتے تھے کہ:

"إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي" (۲)

یعنی "میں تو بانٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں' اصل دینے والا تو اللہ ہے۔"

---

(۱): صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ ما یسرنی أن عندی مثل احد، رقم: ۵۹۶۳، ۶۵۲۲۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان عن رسول اللہ ﷺ، رقم: ۲۵۶۸۔

(۲): صحیح البخاری، باب قول اللہ فأن اللہ خمسہ، رقم: ۳۱۵۱۔

آیئے' ایک اور منظر ملاحظہ فرمایئے! انتہائی غور و فکر کا مقام ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مرض الموت میں مبتلا ہیں۔ بیماری' سخت تکلیف اور بے چینی کی اس حالت کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مرض الوفات میں مجھ سے فرمایا کہ وہ سونا خرچ کردو جو ہمارے پاس موجود تھا' افاقہ ہونے کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا اے عائشہ! وہ سونا کیا ہوا؟ کہا کہ مصروفیت کی وجہ سے ابھی یہ کام نہیں کرسکی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لے آؤ۔ وہ سات سے نو کے درمیان کچھ اشرفیاں لے کر آئیں' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انھیں اپنے ہاتھ سے پلٹنے اور فرمانے لگے' محمد (ﷺ) اللہ سے کس گمان کے ساتھ ملے گا' جب کہ اس کے پاس یہ اشرفیاں موجود ہوں؟ انھیں خرچ کردو۔''(۱)

سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مبارکہ کے ہر گوشے اور ہر پہلو کی اچھی طرح چھان بین کر لیجیے' ہر جگہ آپ کے پاکیزہ عمل کی ایک سے بڑھ کر ایک مثال دکھائی دے گی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو زہد اور تقویٰ کی تعلیم فرمائی' سادگی اور فقر کا درس دیا' تو سب سے پہلے خود ایسا طرزِ عمل اور اندازِ زندگی اپنایا اور ایسا نمونہ پیش فرمایا کہ حُسنِ عمل میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ جب دینِ اسلام پورے عرب میں پھیل گیا اور بڑی بڑی فتوحات ہونے لگیں تو عرب کے گوشے گوشے سے خراج(۲)' جزیہ(۳)' عُشر(۴) اور زکوٰۃ وصدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھے۔ اس

---

(۱): "أَمَرَنِيْ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِذَهَبٍ كَانَتْ عِنْدَنَا فِيْ مَرَضِهِ، قَالَتْ: فَأَفَاقَ، فَقَالَ: مَا فَعَلْتِ؟ "قَالَتْ: لَقَدْ شَغَلَنِيْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ، قَالَ: فَهَلُمِّيْهَا" قَالَ: فَجَاءَتْ بِهَا إِلَيْهِ سَبْعَةً، أَوْ تِسْعَةً أَبُوْ حَازِمٍ يَشُكُّ، دَنَانِيْرَ، فَقَالَ، حِيْنَ جَاءَتْ بِهَا: مَا ظَنُّ مُحَمَّدٍ أَنْ لَوْلَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ هٰذِهٖ عِنْدَهٗ، وَ مَا تُبْقِيْ هٰذِهٖ مِنْ مُحَمَّدٍ لَوْلَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ هٰذِهٖ عِنْدَهٗ"۔ (مسند احمد، سند الصديقه عائشه رضى الله عنها، رقم:۲۵۰۶۷۔ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، رقم۱۸۹۹)

(۲) خراج: ایک ٹیکس جو طاقت ور حکومت اپنی نگرانی میں رہنے والی چھوٹی حکومت سے وصول کرتی ہے۔

(۳) جزیہ: اسلامی حکومت میں وہ ٹیکس' جو غیر مسلموں سے ان کی حفاظت اور نگہبانی کے لیے بطور معاوضہ لیا جاتا ہے۔

(۴) عُشر: زرعی پیداوار پر لاگو دس فیصد اسلامی ٹیکس۔

کے باوجود شاہِ عرب کے گھر میں وہی فقر اور وہی فاقہ تھا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ:

''لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِيْ سِوٰى هٰذِهِ الْخِصَالِ. بَيْتٌ يَسْكُنُهُ وَ ثَوْبٌ يُوَارِيْ عَوْرَتَهُ وَ جِلْفُ الْخُبْزِ وَ الْمَاءِ''(۱)

ترجمہ: ''فرزندِ آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں۔ رہنے کو ایک جھونپڑا، تن ڈھانکنے کو ایک کپڑا، پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی۔''

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ مبارک کلمات محض خوشنما الفاظ نہیں تھے۔ یہ دوسروں کو متاثر کرنے یا محض وعظ ونصیحت کے لیے بھی نہیں تھے، بلکہ ان الفاظ کی عملی تصویر کا نقشہ آپ ﷺ کی زندگی کے ایک ایک شعبے اور آپ ﷺ کی سیرت کے ایک ایک پہلو میں دیکھا جا سکتا تھا۔ رہنے کے لیے مکان کا ایک حُجرہ، جس کی دیواریں کچی اور چھت اونٹوں کے بالوں اور کھجور کے پتوں کی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بے مثال شوہر کے زُہد اور تقویٰ کی گواہی ان الفاظ میں دیا کرتی تھیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن کبھی دو وقت پیٹ بھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھانا نہ کھایا اور جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا سے رخصت ہوئے، تو وفات کے دن تھوڑے سے جَو کے سوا گھر میں کچھ بھی نہیں تھا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زرہ چند سیر جَو کے لیے ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔

آپ ﷺ کے لباس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کپڑا کبھی تہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا، یعنی بدنِ مبارک پر جو کپڑا ہوا کرتا تھا، اس کے سوا کوئی کپڑا تھا ہی نہیں، جو تہ کر کے رکھا جاتا۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسلمان نہایت غربت اور فقر وفاقے کی زندگی گزارتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنھم، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تشریف لائے، فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ اُن پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا شکمِ مبارک (پیٹ) کھولا تو ایک کی بجائے دو پتھر بندھے

(۱): سنن الترمذی، باب ما جاء فی الزهد، باب منه، رقم: ۲۳۴۱۔

تھے۔ایک بار نبی کریم ﷺ بھوک کی وجہ سے بے چینی و بے قراری کی حالت میں گھر سے باہر تشریف لائے۔سامنے سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ آرہے تھے۔وہ اندازے سے پہچان گئے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے گھر لے گئے۔کھانے کا انتظام کیا' جب کھانا سامنے آیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو بھجوا دو' کئی دن سے اُسے کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔ایک بار ایک سائل (سوال کرنے والا) نے آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر سوال کیا کہ میں سخت بھوکا ہوں۔آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن کے پاس کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیج دیں۔ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے جو طرزِ زندگی اپنایا' جو طور طریقے اختیار کیے' اپنی اولاد کو بھی اسی عملی نمونے پر چلنے کی ہدایت فرمائی۔ایک دفعہ آپ ﷺ نے اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں اُن کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دیا ہوا' سونے کا ہار دیکھ کر فرمایا:

"کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے۔"(۱)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت وہ ہار بیچ ڈالا اور اُس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا۔ایک بار کچھ جاں نثار آپ ﷺ سے ملنے کے لیے آئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں۔انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم ایک نرم گدّا بنا کر آپ خدمت میں حاضر کرنا چاہتے ہیں۔آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"وَمَا أَنَا وَالدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا"(۲)

"مجھے دنیا سے اِسی قدر تعلق ہے' جس قدر اُس سوار کو' جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لیے کہیں سائے میں آرام کرتا ہے اور پھر اسے چھوڑ جاتا ہے۔"

(۱): سیر الصحابہ، ج ۴، ص ۱۰۰۔

(۲): سنن الترمذی، ابواب الزھد، رقم: ۲۳۷۷۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زُہد وتقویٰ اور سادگی کا حال، اُس وقت بھی ایسا ہی تھا، جب ۹ھ میں اسلامی حکومت یمن سے شام تک وسیع ہو چکی تھی۔ ذرا آپ ﷺ کی ذاتی ملکیت ملاحظہ فرمایئے! جسم مبارک پر ایک تہبند، ایک کھرّی چارپائی، سرہانے ایک تکیہ، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے۔ ایک طرف تھوڑے سے جَو، ایک کونے میں ایک جانور کی کھال اور کھونٹی پر پانی کے مشکیزے لٹکے ہوئے ہیں۔ ایثار اور قربانی کی نصیحتیں اور وعظ کرنے والے تو آپ کو بہت سے ملیں گے، لیکن ایثار اور قربانی کی نادر مثالیں، اگر دیکھنی ہیں تو آیئے اور مدینے کی گلیوں میں دیکھیے:

یہ محمد ﷺ کی لاڈلی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، جن کی ہتھیلیاں چکّی پیستے پیستے گھس گئی ہیں اور پانی کے مشکیزے بھر بھر کر لانے سے، محمد ﷺ کی پیاری بیٹی کے سینے پر نیل کے داغ پڑ گئے ہیں۔ جنگِ بدر کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ کچھ غلام اور کنیزیں مالِ غنیمت میں آئے ہیں۔ والدِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر جھجکتے ہوئے ایک خادمہ کے لیے خواہش ظاہر کی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے فاطمہ! بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں اور ابھی تک صُفّہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے، تو تمھاری درخواست کیوں کر قبول ہو؟

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس چادر نہ تھی، ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے لا کر پیش کی۔ اسی وقت ایک صاحب نے کہا، کیسی اچھی چادر ہے! آپ ﷺ نے فوراً اتار کر اُن کی نذر کر دی۔

خدا پر اعتماد، بھروسے اور توکّل کی شان دیکھنی ہو، تو آیئے اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے مثال سیرت کے نمونے میں دیکھیے۔ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم آیا کہ جس طرح اولوالعزم(۱) پیغمبروں نے صبر واستقلال دکھایا، تُو بھی دکھا، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ خانۂ کعبہ میں تشریف لے جاتے اور اُن دشمنوں کے سامنے توحید کی آواز بلند فرماتے۔ آپ ﷺ اپنے خون کے پیاسوں کے سامنے ہی اللہ تعالیٰ کے حضور رکوع وسجود کرتے اور نماز ادا فرماتے۔ قبیلۂ قریش کے دشمنوں نے بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اذیتیں پہنچانے میں کوئی

---

(۱) اولوالعزم: بلند اور مضبوط ارادے والے۔

کسر نہ اٹھا رکھی۔ حرم میں نماز کی حالت میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نجاست (گندگی) ڈالی' گلے میں چادر ڈال کر پھانسی دینے کی کوشش کی' آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے' آپ اور آپ کے خاندان کو تین سال تک شعبِ ابی طالب (مکہ کے قریب ایک گھاٹی) میں قید رکھا گیا' جہاں بچے بھوک سے بلبلاتے تھے اور بڑے درختوں کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے' لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صبر واستقلال کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کا منظر ملاحظہ فرمایئے! غارِ ثور میں پناہ کے دوران آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بے یارو مددگار اور نہتے ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پیچھا کرنے والے قریش کے مسلح لوگوں کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے' تو ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرا اٹھتے ہیں کہ "یارسول اللہ! ہم صرف دو ہیں۔" لیکن ایک مطمئن اور پُرسکون آواز آتی ہے کہ "ابوبکر! ہم دو نہیں تین ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ گھبراؤ نہیں' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

مدینے میں جہاں آپ ﷺ کے جانثار ساتھی تھے' وہیں یہودیوں' منافقوں اور قبیلۂ قریش میں سے آپ کے بے شمار دشمن تھے' جن کی سازشوں اور حملوں کے پیشِ نظر' مسلمان سپاہی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیام گاہ پر راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (۱)

"اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔"

تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی وقت خیمے سے سر نکال کر پہرے دار سپاہیوں سے فرمایا "لوگو! واپس جاؤ۔ مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے لی ہے۔"

اُحد کی لڑائی کا منظر دیکھیے! کفار کے اچانک حملے سے اکثر مسلمانوں کے قدم اُکھڑ چکے ہیں' لیکن رسول خدا ﷺ اپنی جگہ قائم ہیں۔ پتھر' تیروں' تلواروں اور نیزوں سے حملے ہو رہے ہیں۔ خود (لوہے کی حفاظتی ٹوپی) کی کڑیاں آپ ﷺ کے سرِ مبارک میں دھنس گئی ہے۔ دندانِ مبارک شہید ہو

(۱) سورۃ المائدۃ: آیت نمبر ٦٧۔

چکے ہیں، چہرۂ مبارک زخمی ہو رہا ہے، مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تحمل، برداشت اور توکّل کا اندازہ کیجیے کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ تلوار پر نہیں رکھا، کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللّٰہ تعالیٰ کی نصرت (مدد) پر بھروسا، اعتماد اور اللّٰہ تعالیٰ کی حفاظت کی ذمہ داری کا پورا یقین ہے۔

دوستو! آپ نے دشمنوں سے محبت اور پیار کرنے کے وعظ و نصیحت اور قصے کہانیاں سنی ہوں گی لیکن آیئے، آپ کو سرکارِ مدینہ ﷺ کی بے مثال محبت اور شفقت کی عملی مثالیں دکھاتے ہیں:

خیبر کا قلعہ فتح ہو چکا ہے۔ ایک یہودی عورت دعوت کے موقعے پر آپ علیہ الصلوٰۃ و السلام کو زہریلا گوشت پیش کرتی ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللّٰہ تعالیٰ کی قدرت سے، اس بات کی اطلاع ہو جاتی ہے، یہودی عورت کو بلایا جاتا ہے۔ وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے، لیکن رحمت اللعالمین ﷺ کے دربار سے اسے کوئی سزا نہیں ملتی، حالانکہ اس زہر کے اثر کی شدت اور تکلیف آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عمر بھر محسوس ہوتی رہی۔ فتحِ مکہ کے وقت سازش کرنے والے اسّی (۸۰) لوگوں کا ایک دستہ گرفتار کیا گیا، جو جبلِ تنعیم (مکہ کے قریب ایک پہاڑ) سے اُتر کر آپ ﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر ہوئی تو فرمایا "انھیں چھوڑ دو۔" دشمنوں سے بھلائی اور اُن کی خیر خواہی کا اس سے بڑا عملی مظاہرہ، کسی نے کب کیا ہوگا؟

ملاحظہ فرمایئے! ۸ھ میں طائف کے قلعے کا محاصرہ جاری ہے۔ مسلمان قلعے کو فتح کرنے کے لیے نہایت پُر جوش ہیں اور آپ علیہ الصلوٰۃ و السلام سے طائف پر بددعا کرنے کے لیے درخواست کرتے ہیں۔ رحمت اللعالمین اپنے دستِ مبارک اُٹھاتے ہیں، لیکن دیکھیے کیا فرماتے ہیں:

"خداوند! طائف کو ہدایت کر اور اس کو اسلام کے آستانے(۱) پر جھکا۔"

غور فرمایئے! یہ اُس شہر کے بارے میں دعائے خیر ہو رہی ہے، جہاں کے رئیس عبدِ یالیل کے خاندان نے آپ ﷺ کا مذاق اڑایا تھا، بازاری اور آوارہ لڑکے آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیے تھے، جنھوں نے بازار میں دونوں طرف سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتنے پتھر برسائے تھے کہ آپ ﷺ

(۱) آستانہ: دہلیز۔ چوکھٹ۔

کے پائے مبارک زخمی ہو گئے تھے اور دونوں جوتیاں خون سے بھر گئی تھیں۔ طائف کا یہ دن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اذیت بھری زندگی کا سب سے بدترین دن تھا۔ پھر ایک دن وہ آیا کہ یہی عبد یالیل جس کے خاندان نے طائف میں آپ ﷺ کے ساتھ یہ مظالم کیے تھے، جب طائف کا وفد لے کر مدینے آتا ہے، تو رحمت اللعالمین ﷺ اُسے اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑ کر اُتارتے ہیں۔ ہر روز عشاء کی نماز کے بعد اس کی ملاقات کو جاتے ہیں اور مکّے میں گزری اپنی رنج اور دُکھ بھری داستان سناتے ہیں۔

دوستو! دشمنوں سے محبت اور عفوو کرم (معافی اور مہربانی) کی نایاب مثال دیکھنی ہو، تو فتحِ مکّہ کے موقع پر حرم کے صحن کا منظر بھی ملاحظہ فرمایئے! یہ وہی صحنِ حرم ہے، جہاں آپ ﷺ پر نجاستیں پھینکی گئیں، جہاں آپ ﷺ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی، جہاں آپ ﷺ کو گالیاں دی گئیں، آج فتحِ مکّہ کے دن قریش کے تمام سردار سر جھکائے کھڑے ہیں۔ ان میں اسلام کو مٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانے والے بھی ہیں۔ آپ کو برا بھلا کہنے اور مذاق اڑانے والے بھی موجود ہیں۔ وہ بھی ہیں، جو آپ ﷺ کو جھٹلاتے اور گالیاں دیا کرتے تھے۔ یہاں آپ ﷺ پر پتھر پھینکنے والے بھی موجود ہیں اور آپ کے راستے میں کانٹے بچھانے والے بھی۔ اس شکست خوردہ اور شرمسار مجمعے میں وہ بھی موجود ہیں، جنھوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تلواریں چلائی تھیں، آپ کے پیاروں کا ناحق خون کیا تھا اور ان کے سینے چاک کر کے، ان کے دل اور جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ یہاں آج وہ بھی حاضر ہیں، جو غریب اور بے کس مسلمانوں کو جلتی ریت پر لٹایا کرتے تھے، نیزوں کی اذیتوں سے ان کے بدن چھیدتے اور دہکتے کوئلوں سے ان کے جسم داغا کرتے تھے۔ ان کے پیچھے دس ہزار مسلمان مجاہدوں کی بے قرار تلواریں، ان سے ان کے مظالم کا انتقام لینے اور ان کا خون پینے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک اشارے کی منتظر ہیں۔ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے ارشاد ہوتا ہے کہ اے قریش! بتاؤ آج میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کروں؟

جواب ملتا ہے "محمد ﷺ! تو ہمارا بھائی اور بھتیجا ہے۔" رحمت اللعالمین ﷺ ارشاد فرماتے

ہیں ''آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ ''آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔''

اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَا۔ ''جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

غور فرمایا آپ نے' عفو و درگزر اور دشمنوں پر رحم و کرم کے ایسے عملی نمونے' پوری دنیا کی تاریخ میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے' لیکن رحمت اللعالمین ﷺ کی پوری زندگی' ایسی ہی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

دیکھیے' یہ ابوسفیان ہے۔ ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن' جس نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہر سازش میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ کافروں نے مسلمانوں کے خلاف بدر' اُحد اور خندق کی لڑائیوں کے منصوبے' اسی کی رہنمائی میں تیار کیے۔ اس نے کتنے مسلمانوں کو شہید کروایا' خود حضور سرورِ کائنات ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اس کا ایک ایک جرم اس قابل تھا کہ اسے قتل کر دیا جاتا' لیکن فتحِ مکہ سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ دربارِ رسالت میں حاضر ہوا' تو نہ صرف یہ کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے معاف فرما دیا' بلکہ یہ بھی فرمایا:

''مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ ''(۱)

''جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اُسے بھی امن ہے۔''

اور یہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ' جس نے آپ کے سب سے محبوب چچا اور اسلام کے ہیرو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' کے سینے کو چاک کیا' ان کی ناک' کان کاٹ کر ہار بنایا اور کلیجہ نکال کر چبایا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس منظر کو دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔

یہی ہندہ فتحِ مکہ کے دن نقاب پہن کر حاضر ہوتی ہے' تو آپ ﷺ یہ تک نہیں پوچھتے کہ تم نے ایسا کیوں کیا تھا۔ آپ ﷺ کے عفو و کرم کی معجزانہ مثال دیکھ کر ہندہ پکار اُٹھتی ہے:

---

(۱): صحیح مسلم، باب فتح مکہ، رقم: ۱۷۸۰۔ سنن أبی داؤد، باب ما جاء فی خبر مکۃ، رقم: ۳۰۲۲، ۳۰۲۱۔

''یارسول اللّٰہ (ﷺ)! کرۂ ارض پر آپ کے خاندان اور اہلِ بیت کی ذلّت سے زیادہ مجھے کوئی چیز عزیز نہ تھی، مگر اب کرۂ ارض پر آپ کے خاندان اور اہل بیت کی عزت و آبرو سے زیادہ مجھے کسی کی عزت و آبرو محبوب نہیں۔''(۱)

اور دیکھیے یہ وہی وحشی ہے، جس نے ہندہ کے کہنے پر، حضرت حمزہ رضی اللّٰہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ فتحِ مکّہ کے بعد اسے کہیں پناہ کی جگہ نہیں ملی۔ لوگوں کے کہنے پر معافی کے لیے محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ اسے دیکھ کر نگاہیں نیچی فرما لیتے ہیں۔ پیارے چچا کی دردناک شہادت کا منظر سامنے آ جاتا ہے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں، لیکن اللّٰہ کے صابر و شاکر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف اتنا ارشاد فرماتے ہیں ''وحشی میرے سامنے نہ آیا کرو کہ شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔''

اور یہ کون ہے؟ عکرمہ ہے۔ اسلام، مسلمانوں اور رسول خدا ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کا بیٹا۔ اسلام کے خلاف اپنے باپ کے شانہ بشانہ کئی جرائم میں شریک رہا۔ فتحِ مکّہ کے بعد سزا کے خوف سے یمن بھاگ گیا۔ بیوی اُمِ حکیم بنتِ حارث جو مسلمان ہو چکی تھیں، خود یمن جا کر عکرمہ کو ساتھ لے کر آئیں تا کہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی آمد کی خبر ہوئی، تو ان کے استقبال کے لیے اس جوش سے اٹھے کہ جسمِ مبارک سے چادر ڈھلک کر گر گئی اور خوشی کے عالم میں فرمایا:

''مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ''

''اے مہاجر سوار تمھارا آنا مبارک۔''

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیاری بیٹی حضرت زینب رضی اللّٰہ عنہا کے ایک حیثیت سے

---

(۱): يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كَانَ مِمَّا عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ أَحبَا۔ أَوْخِبَاء أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَذِلُّوْا مِنْ اَهْلِ اَخْبَائِكَ۔ أَوْ خِبَائِكَ۔ ثُمَّ مَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ أَهْلُ اَخْبَاءٍ أَوْخِبَاءٍ مِنْ أَنْ يَعِزُّوْا مِنْ أَهْلِ أَخْبَائِكَ أَوْ خِبَائِكَ الخ۔" (البدايه و النهايه، ج٤، ص٣١٩)

''قاتل''، ہبار بن الاسود (۱) کی حالت بھی ملاحظہ فرمایئے! فتحِ مکّہ کے موقع پر اسے یقین ہے کہ اس کا جرم اتنا بڑا ہے کہ بھلا معافی کیسے ملے گی؟ ایران بھاگنے کی تیاری کررہا ہے، لیکن کچھ سوچ کر سیدھا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے۔ رحمت اللّعالمین ﷺ کی رحمت کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور معافی مل جاتی ہے۔

یہ عمیر بن وہب، صفوان بن اُمیّہ اور عمیر ہیں، زہر میں بجھی تلواروں سے آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنانے والے، جن کے سارے کے سارے جرائم ثابت ہوچکے ہیں، لیکن رسول اللّٰہ ﷺ کی بے پناہ رحمت اور شفقت انھیں معاف فرمادیتی ہے۔ یہ ہے دشمنوں سے پیار کرنا اور معاف کرنا۔ یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ اور عملی تعلیم، جو صرف خوشنما الفاظ اور بڑے بڑے دعووں تک محدود نہیں، بلکہ دنیا میں سچے عمل اور سچے واقعات بن کر ظاہر ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام بھی اپنے پیغمبر کی طرح ہمیں عمل کی دعوت دیتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط (۲)

ترجمہ: ''(لوگو) تمھارے لیے اللّٰہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

اللّٰہ کریم کے اسی ارشاد کی روشنی میں نبیِ کریم ﷺ دنیا سے رخصت ہوتے وقت، ہمارے لیے دو قیمتی ترین تحفے چھوڑ کر گئے یعنی اللّٰہ کی مقدس کتاب قرآن مجید اور اپنی مبارک سُنّت۔

دوستو! آپ ہر مذہب کو اچھی طرح چھان پھٹک کر دیکھ لیجیے، تاریخ کی کتابوں کا ایک ایک صفحہ پڑھ ڈالیے، نبیوں، رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دوسری بڑی بڑی شخصیتوں کی سیرتوں کو خوب

---

(۱) آپ ﷺ کی صاحب زادی حضرت زینب زوجۂ ابوالعاص بن ربیع، جب ہجرت کرکے مکہ سے مدینہ جارہی تھیں تو ہبار بن الاسود نے چند اوباشوں کے ہمراہ راستے میں حضرت زینب کے ایک نیزہ مارا، آپ ایک پتھر پر گر پڑیں۔ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہوگیا اور اسی بیماری میں انتقال فرمایا۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

(۲): سورۃ الاحزاب: آیت نمبر ۲۱۔

کھنگال لیجیے، دنیا میں یہ فخر صرف اور صرف اسلام کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم، تربیت اور زندگی کے بہترین اصول پیش کرنے کے ساتھ ساتھ، اپنے ذاتی عمل اور اپنی ذاتی مثال کو نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

جو طریقۂ نماز سے ناواقف ہے، اُس سے معلّمِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (۱)

''اُس طرح اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھو، جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

بیوی بچوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تقسیم ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي (۲)

''تم میں سب سے اچھا وہ ہے، جو اپنے بیوی بچوں کے لیے سب سے اچھا ہے اور میں اپنے بیوی بچوں کے لیے تم سب سے اچھا ہوں۔''

یہ حجۃ الوداع (آنحضرت ﷺ کا آخری حج) کا موقع ہے۔ دیکھیے! اپنے ایک لاکھ سے زائد جانثاروں کے ہجوم میں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام، اللہ کا آخری پیغام اور تعلیم دے رہے ہیں، لیکن غور کیجیے کہ ہر قدم پر اپنی ذاتی مثال اور عملی نمونہ پیش فرما رہے ہیں، مثلاً ارشاد فرمایا:

''جاہلیت کے تمام سُودی لین دین اور کاروبار آج باطل کیے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سُودی بیوپار توڑتا ہوں۔ آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیے گئے ہیں، یعنی تم سب ایک دوسرے کے قاتلوں کو معاف کرو اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا دورِ جاہلیت کا ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون معاف کرتا ہوں۔''(۳)

---

(۱): سنن دارقطنی، باب فی ذکر الامر بالأذن و الاقامه و أحقهما، رقم: ۱۰۶۹۔ سنن ابنِ ماجه، فی الاقامه، رقم: ۹۷۹۔

(۲): سنن ترمذی، باب فی فضل ازواج النبی ﷺ، رقم: ۳۸۹۵۔

(۳): "أَلَا وَإِنَّ كُلَّ رِبًا مِنَ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ لَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (جاری)

عرب میں سب سے زیادہ کمتر اور ذلیل غلام سمجھے جاتے تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانی برادری اور انسانی بھلائی چارے کی یہ عملی مثال پیش کی کہ ایک غلام زید بن حارثہ کو اپنا متبنّٰی بنا دیا اور صرف یہی نہیں کیا' بلکہ اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش جو قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں' ان کا نکاح اپنے اس غلام اور منہ بولے بیٹے سے کر دیا۔

جب قرآنِ مجید میں متبنّٰی' یعنی منہ بولا بیٹا بنانے کا قاعدہ توڑنے کا حکم آیا' تو سب سے پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ' جو متبنّٰی بننے کے بعد زید بن محمد کہلایا کرتے تھے' زید بن حارثہ کہلائے۔ اسی طرح عرب میں منہ بولے بیٹے کی مطلّقہ (طلاق شدہ) بیوی سے نکاح کرنا ناجائز تھا' لیکن جب قرآنِ پاک نے اس بے ہودہ رسم کو توڑنے کا حکم دیا' تو سب سے پہلے پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے' خود سب سے پہلے آگے بڑھ کر اس کی مثال پیش کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلّقہ بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی فرمالی۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک اور پوری دنیا کے کونے کونے تک' کیا ایسی عملی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا کوئی نمونہ' آپ کو کہیں بھی نظر آتا ہے؟؟؟

بہترین سیرت' مثالی کردار اور قابلِ تقلید نمونہ بننے کے لیے چار شرائط پیش کی گئی تھیں کہ جو انسان چاروں شرائط پر پورا اُترے گا' صرف اور صرف اُسی کی زندگی پورے عالمِ انسانیت کے انسانوں کے لیے بطورِ ماڈل منتخب کی جائے گی۔

ان چاروں شرائط یعنی تاریخیّت' جامعیّت' کاملیّت اور عملیّت پر ہم نے بڑی سے بڑی

......گزشتہ سے پیوستہ:

غَيْرُ رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ لَكُمْ أَلَا وَإِنَّ كُلَّ دَمٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ دَمٍ وُضِعَ مِنْ دَمِ الْجَاهِلِيَّةِ دَمُ الرَّبِيعَةِ ابْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ "۔ (سنن ترمذی، باب و من سورة التوبة، رقم:۳۰۸۷۔ مسند بزار، سند ابن عباس رضی اللہ عنہ، رقم:۶۱۳۵۔ سنن کبریٰ للنسائی، باب تحریم الربا و انه موضوع مردود الی راس، رقم:۱۰۴۶۵)

شخصیت اور دنیا کے بہترین انسانوں، یعنی نبیوں اور رسولوں علیھم الصلوٰۃ والسلام کی سیرتوں کا بھی بغور جائزہ لیا۔ ہمارے کہنے کا اور اس جائزے کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ دیگر انبیا اور رسولوں کی زندگیاں، اُن کے عہد اور اُن کے زمانے میں، ان چاروں خوبیوں سے خالی تھیں، بلکہ سمجھانے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ دیگر تمام انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کی سیرتیں اور ان کی زندگی کے حالات اور اُن کی تعلیمات، ان کے دنیا سے گزر جانے کے بعد، جب عام انسانوں تک پہنچیں، یا جو آج موجود ہیں، وہ سب نامکمل ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلی اور کم بیشی ہو چکی ہے، ان کی اصل حقیقت مٹ چکی ہے، اس لیے آج یہ اعلیٰ ترین معیار کی سیرتیں، ان شرائط پر پوری نہیں اُترتیں۔ گزشتہ انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کی سیرتوں، اُن کی تعلیمات اور اصل آسمانی کتابوں کا دنیا سے اُٹھ جانا بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت کے عین مطابق تھا، تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ تمام نبی اور رسول علیھم الصلوٰۃ والسلام محدود زمانے اور خاص قوموں کے لیے آئے، اس لیے اُن سب کی سیرتوں کو دوسری آنے والی قوموں اور آئندہ زمانے کے لیے محفوظ رہنے کی ضرورت ہرگز نہیں تھی۔ صرف ہمارے آقا اور دینِ اسلام کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ قیامت تک آنے والی قوموں کے لیے نمونۂ عمل اور قابلِ تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے، اسی لیے آپ ﷺ کی سیرتِ مبارک کے پوری طرح محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کا بھی پوری طرح انتظام فرما دیا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کی گئی کتاب، قرآنِ مجید میں تقریباً ساڑھے چودہ سو سال گزرنے کے باوجود، آج تک زبر زیر کی بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق، قیامت تک بھی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ آپ نے اس کتاب میں تفصیلی مطالعہ فرما لیا ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظیم ترین سیرتِ مبارکہ کے ہر چھوٹے بڑے پہلو کی تمام تفصیلات، تمام حالات اور واقعات، قیامت تک اسی طرح محفوظ رہیں گے اور انسانوں کو دعوتِ عمل دیتے رہیں گے، جیسا کہ آج بھی دے رہے ہیں اور یہی ختمِ نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ بحیثیت معلمِ انسانیت، صرف آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مبارکہ ہی، ہر لحاظ سے مکمل اور دائمی ہے اور جس کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس ترین اور مکمل ترین آخری کتاب،

قرآنِ مجید میں ان الفاظ میں دی ہے:

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط(۱)

ترجمہ: ''(مسلمانو!) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔''

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ ط

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی

از: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی مخدوم نہیں ہے، پھر دیکھ لیجیے کہ حضور کی کیا حالت تھی! فرماتے ہیں: "انی اکل کما یأکل العبد" کہ میں کھانا اس طرح کھاتا ہوں جیسے کوئی غلام کھاتا ہے جس میں کوئی تجبر اور تکبر کا نام نہیں ہوتا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی آگے نہ چلتے تھے، بلکہ کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم آگے ہوتے تھے اور کچھ برابر میں ہوتے تھے اور کچھ پیچھے ہوتے تھے، اور یہ کسی کا آگے اور کسی کا پیچھے چلنا بھی کسی خاص نظم اور ترتیب سے نہیں تھا۔ جیسے آج کل بادشاہوں اور بڑے لوگوں کی عادت ہے؛ جب چلتے ہیں تو باقاعدہ کچھ لوگ ان کی عزت وشان بڑھانے کو ان کے آگے پرے جمائے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ اس کے پیچھے ہوتے ہیں، سو یہ نہ تھا، بلکہ جس طرح بے تکلف احباب ملے جلے چلتے ہیں کہ کبھی کوئی آگے ہو گیا اور کبھی کوئی پیچھے ہو گیا، اسی طرح چلتے تھے۔

لباس کی یہ شان تھی کہ ایک ایک کپڑے میں کئی کئی پیوند لگا کر پہنتے تھے، آرام کرنے کی یہ حالت تھی کہ ٹاٹ کے اوپر آرام کرتے تھے، معاشرت کی یہ حالت تھی کہ اپنا کاروبار خود کرتے تھے، بازار سے ضرورت کی چیزیں جا کر خرید لاتے تھے۔ غرض یہ سب افعال جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منقول ہیں تو کس لیے؟ کیا اس لیے کہ ہم سنیں اور پروا بھی نہ کریں؟ (العمل العلماء، جلد۵، بحوالہ امثالِ عبرت: ۱۱۰، ۱۱۱)

(۱): سورة الاحزاب: آیت نمبر: ۴۰۔

ساتواں خطبہ

نبی کریم حضرت محمد ﷺ کا دائمی پیغام

گزشتہ صفحات میں ہم نے نہایت تفصیل سے مطالعہ کیا' تاریخ کے صفحات بھی کھنگالے' تحقیق بھی کی' دلائل بھی پیش کیے اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ قیامت تک تمام انسانوں کے لیے' خواہ وہ دُنیا کے کسی حصے میں رہتے ہوں' کسی بھی قوم اور رنگ و نسل سے تعلق رکھتے ہوں' سب کے لیے صرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی بہترین عالمگیر اور دائمی نمونہ ہیں' لٰہذا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی عالمگیر اور دائمی تعلیم کیا ہے؟ آخر حضرت محمد ﷺ کی تعلیم اور پیغام کے وہ کون سے ضروری حصے ہیں' جن کے ادا کرنے کے لیے ''نبی آخر الزّماں'' ﷺ کی ضرورت پیش آئی اور آپ ﷺ سے پہلے دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لوگوں کے لیے جو پیغام لائے' ان میں کیا کمی' زیادتی اور تبدیلی آ چکی تھی اور نبیِ اکرم ﷺ نے کس طرح اُن پیغامات کی اصلاح اور درستی کی اور انھیں مکمل فرمایا' تا کہ نبیِ اکرم ﷺ کا مکمل پیغام' رہتی دنیا تک تمام انسانوں کی تعلیم و تربیت اور ہدایت کے کام آ سکے۔

ہم اس سے پہلے یہ پڑھ چکے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی خاص زمانے اور قوم کے لیے آئے۔ اللّٰہ تعالیٰ کی جانب سے جو پیغام یہ لے کر آئے' وہ بس اسی زمانے کے لوگوں کے لیے' وقتی طور پر تھے' اسی لیے ان کی حفاظت کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ ہوا کہ یہ ہمیشہ کے لیے باقی رہتے۔ رفتہ رفتہ ان میں تبدیلیاں بھی ہوتی چلی گئیں' کیونکہ ان میں سے اکثر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیغامات کافی مدت کے بعد ترتیب دیے اور لکھے گئے۔ اُن پیغامات کو جب دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا تو ان کی اصل حیثیت بدل گئی۔ ان کے معانی کچھ سے کچھ ہو گئے' ان میں جعلی پیغامات بھی شامل کیے گئے

اور آج ان کے درست ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت بھی باقی نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بھی مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی نہ کوئی بہتری شامل ہوتی ہے۔

مختلف مذاہب کی مقدس کتابیں جو ضائع یا گم ہوگئیں' اُن کا مٹ جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ وقتی اور عارضی طور پر تھیں۔ آج دنیا میں جو مذہبی کتابیں باقی ہیں' آپ ان کی ایک ایک آیت تلاش کر لیجیے' ان کی تکمیل اور ان کی حفاظت کے وعدے کے بارے میں' آپ کو ایک حرف بھی نہیں ملے گا' بلکہ خود ان آسمانی کتابوں میں نبیِ آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے تشریف لانے کی بشارتیں (خوش خبریاں) موجود ہیں۔ تورات کی آیتیں بتاتی ہیں:

''اُس نے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) کہا کہ خداوند سینا (۱) سے آیا اور سعیر (۲) سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران (۳) ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں (۴) کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت (۵) ان کے لیے تھی۔''

حضرت داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر زبور نازل ہوئی۔ زبور کے باب ۲۷ کے درسِ اوّل کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے۔ یہ تمام پیشین گوئیاں نبیِ کریم ﷺ کے بارے میں ہیں:

---

(۱) طورِ سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا اور تورات عطا ہونا مراد ہے۔

(۲) ساعیر یا سعیر ایک پہاڑی ہے' جو شہر ناصرہ میں واقع ہے' جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور انجیل کے نزول کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) فاران سے مکّہ کا پہاڑ مراد ہے جس میں غارِ حرا واقع ہے جس میں سب سے پہلے اِقْـرَاْ بِـاسْـمِ رَبِّکَ الَّـذِیْ خَـلَـقَ کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ اس سے نبیِ کریم ﷺ کی رسالت اور قرآن نازل ہونے کی جانب اشارہ ہے۔

(۴) دس ہزار قدسیوں سے مراد فرشتوں کا لشکر مراد ہے یا آنحضرت ﷺ کا فتحِ مکّہ کے وقت دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ مکّہ تشریف لانا مراد ہے۔

(۵) آتشیں شریعت سے مراد قرآنِ مجید ہے' اس لیے کہ قرآنِ مجید میں جہاد اور حدود و قصاص جیسے شدید احکامات موجود ہیں۔

''آپ ﷺ کو بادشاہت حاصل ہوگی۔ آپ کی سلطنت کا دائرہ، خشکی وتری تک وسیع ہوگا۔ عدالت اور صداقت کے ساتھ عدالتیں جاری ہوں گی۔ یہ محتاجوں کو ان کا حق دلائے گا اور ظالموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا۔ بیابان (صحرا) کے باشندے اس کے سامنے جھکیں گے اور اس کے دشمن مٹی چاٹیں گے۔ دنیا کے بادشاہ اور سلاطین اس کے لیے ہدیے اور تحفے لائیں گے اور تمام قبائل اس کے مطیع وفرماں بردار ہوں گے۔ ہر طرف کی قومیں اس کے حق میں دعا اور مبارک باد کہیں گی اور ابد تک اس کا نام باقی رہے گا۔ جب تک آفتاب رہے گا اس کے نام کا رواج رہے گا۔''

ایک اور نبی حضرت ملاکی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت ملاحظہ فرمایئے:

''دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں ختنہ کا رسول، جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آوے گا۔ دیکھو وہ یقیناً آوے گا۔''(۱)

آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے یہود اور عیسائی اور قیصرِ روم بھی اسی پیشین گوئی کے مطابق رسولِ ختان (پیدائشی ختنہ ہوئے رسول) کا منتظر تھا۔ حضرت حبقوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفے میں رسولِ کریم ﷺ کی بعثت کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

''خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے، کوہ فاران سے آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی۔ اس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی، اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں۔''(۲)

یہ بشارت آنحضرت ﷺ کے بارے میں نہایت ظاہر ہے کہ سوائے آپ ﷺ کے اور کون سا پیغمبر فاران سے مبعوث ہوا۔

---

(۱): از صحیفۂ ملاکی علیہ الصلوٰۃ والسلام: باب سوم: آیت اوّل۔

(۲): از صحیفۂ حبقوق علیہ الصلوٰۃ والسلام: باب سوم: آیت ۳۔

حضرت حبقوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس صحیفے کے ایک عربی نسخے میں یہ لفظ ہیں:

وَامْتَلَاتِ الْاَرْضُ مِنْ تَحْمِيْدِ اَحْمَد

ترجمہ: ''یعنی تمام زمین احمد مجتبیٰ ﷺ کی حمد سے بھر گئی۔''

حاسدین نے اس جملے کو برداشت نہ کیا اور بعد کی اشاعت میں اس جملے کو صحیفے سے الگ کر دیا۔

حضرت یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان الفاظ میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خوشخبری سناتے ہیں:

''بیابانِ عرب (۱) اور اس کی بستیاں قیدار (۲) کے آباد دیہات میں اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع (۳) کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے اور خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔'' (۴)

حضرت یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفے کا ترجمہ ارمنی زبان ۱۶۶۶ء میں ایک پادری اوسکان ارمنی نے کیا، جو ۱۷۳۳ء میں شایع ہوا، اس کے بیالیسویں باب میں یہ فقرہ موجود ہے:

''اللہ کی تسبیح پڑھو، اور اس آنے والے پیغمبر کی سلطنت کا نشان اس کی پشت پر ہو گا (یعنی مہرِ نبوت) اور اس کا نام احمد ہوگا۔''

دوستو! اب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل انجیل کا اعلان ملاحظہ فرمایئے:

انجیل یوحنا کے باب ۱۴ کی آیات نمبر ۱۵۔۱۶۔۲۶۔۲۹۔۳۰ باب ۱۵ کی آیت نمبر ۲۷ اور

---

(۱): بیابانِ عرب سے مراد فاران کا بیابان (صحرا) ہے، جہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کے حکم سے چھوڑ آئے تھے۔

(۲): قیدار، حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے بیٹے کا نام ہے۔ قیدار کے آباد دیہات سے ''مکّہ مکرمہ'' مراد ہے، جہاں حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد آباد ہوئی۔ یہ نبی کریم ﷺ کے اجداد میں سے ہیں۔

(۳): سلع، مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اس سے آنحضرت ﷺ کے مقامِ ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔

(۴): از صحیفۂ حضرت یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: باب ۲۱: آیت ۱۱۔

باب ۱۶ کی آیات نمبر ۷ تا ۱۴ کا یہ خلاصہ، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ تقریر(۱) ہے، جو اُنھوں نے آسمان پر اٹھائے جانے سے قبل، اپنے حواریوں (قریبی ساتھیوں) کی تسلی کے لیے کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

''تم یہود کی سازشوں اور قتل کی تدبیروں سے ہرگز نہ گھبراؤ اور میں عنقریب اس دنیا سے نکل کر ایسی جگہ چلا جاؤں گا کہ جہاں کسی کی پہنچ نہیں ہوگی، یعنی آسمان پر چلا جاؤں گا۔ خدا کے یہاں بہت مکان ہیں اور قیامت کے قریب پھر آسمان سے نازل ہوں گا اور ایک زمانہ آئے گا کہ میرے علاوہ ایک دوسرا فارقلیط(۲) (رسول) ظاہر ہوگا اور وہ آکر میری بزرگی بیان کرے گا اور میرے نہ ماننے والوں یعنی یہود کو خوب سزا دے گا اور وہ دین و دنیا کا سردار ہوگا اور وہ

---

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کا ذکر قرآنِ مجید میں ان الفاظ میں کیا ہے:

وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ

(سورۃ الصّف: آیت نمبر ۶)

ترجمہ: ''اور اس وقت کو یاد کرو، جب حضرت عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں ایک عظیم رسول کی، جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔''

(۲) فارقلیط: اہلِ علم نے ''فارقلیط'' کے بہت سے ترجمے کیے ہیں، لیکن سب سے زیادہ صحیح ترجمہ ''احمد'' (بہت زیادہ تعریف کیا گیا) ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی بشارت کے تحت قرآنِ پاک میں بھی لفظ ''احمد'' آیا ہے۔

نوٹ: نبی کریم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری اور آپ ﷺ کی ختمِ نبوت کے بارے میں زبور، صحیفۂ حضرت ملاکی علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحیفۂ حضرت حبقوق علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحیفۂ حضرت یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور انجیل کی پیشین گوئیاں اور حوالہ جات، اضافے کے طور پر شامل کیے گئے ہیں۔ حضرت علّامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتویں خطبے میں صرف حضرت موسیٰ، حضرت اشعیا اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی پیشین گوئیاں تحریر فرمائی ہیں۔ (مؤلف)

اس قدر بلند ہوگا کہ مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں۔"

اب آپ غور فرمائیے کہ محمد ﷺ کے پیغام میں یا آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ کتاب قرآنِ مجید میں کہیں بھی، آپ ﷺ کے بعد کسی اور آنے والے نبی یا رسول کے بارے میں کوئی خبر تو کیا، ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا۔ نبی کریم ﷺ کے دینِ اسلام کے کامل ہونے کا اعلان خود اللہ پاک نے قرآنِ مجید میں اس طرح فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط(۱)

ترجمہ: "آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا۔"

نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے اور آپ ﷺ کا پیغام مکمل ہونے کی گواہی قرآنِ کریم میں اللہ جل شانہ نے ان الفاظ میں دی:

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط(۲)

ترجمہ: "(مسلمانو!) محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔"

نبی کریم ﷺ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ (۳)

"ہوشیار کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

---

(۱): سورۃ المائدۃ: آیت نمبر ۳۔

(۲): سورۃ الاحزاب: آیت نمبر: ۴۰۔

(۳): مسلم، باب المساجد۔

نبی کریم ﷺ نے ختمِ نبوت کے بارے میں کیا خوبصورت اور جامع مثال پیش کی ہے:

''میری اور انبیائے سابقین (انبیا جو گزر چکے) کی ایسی مثال ہے کہ کسی نے ایک محل نہایت عمدہ تیار کیا، مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس محل کا چکر لگاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کیوں چھوڑ دی گئی، میں ہی خاتم النبیین ہوں، یعنی میں نے ہی اس اینٹ کی جگہ کو پُر کیا ہے اور میرے سے ہی یہ تعمیر ختم ہوئی اور مجھ پر نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ ختم ہوا۔''(۱)

اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے نبیِ آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ پر نازل ہونے والے آخری پیغام، یعنی قرآنِ مجید کی حفاظت کی ذمہ داری ان الفاظ میں خود لے لی:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ؕ(۲)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''۔

دوستو! جب ہم پیغامِ محمدی ﷺ کے عالمگیر، دائمی اور ابدی ہونے کی بات کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پیغامِ محمدی ﷺ ہی عالمگیر ہے، یعنی پورے عالم اور پوری دنیا کے انسانوں کے لیے ہے اور یہ پیغام دائمی اور ابدی ہے یعنی قیامت تک انسانوں کی ہدایت کا آخری اور کامل ترین ذریعہ ہے، تو ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیغامِ محمدی ﷺ کے علاوہ بھی، اللہ کا کوئی دوسرا پیغام عالمگیر ہو کر آیا ہے؟

آیئے، ہم اس سوال کا جواب بھی تلاش کرتے ہیں۔

دیکھیے، جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بھی ذکر کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کی قوم میں جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے، انھوں نے اور ان کے صحیفوں نے بنی اسرائیل کے علاوہ، کسی دوسری قوم تک خدا کا پیغام نہیں پہنچایا۔ آج بھی یہودی مذہب اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کا پیغام، صرف بنی اسرائیل کے لیے ہے۔ انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ

(۱): رواہ البخاری فی کتاب الانبیاء۔

(۲): سورۃ الحجر: آیت نمبر ۹۔

والسلام بنی اسرائیل کو اپنی کھوئی ہوئی بھیڑیں کہا کرتے تھے اور وہ صرف انھی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں تھے، بلکہ انھوں نے تو یہاں تک کہا کہ غیر اسرائیلیوں کو تعلیم دے کر وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا پسند نہیں کرتے۔

ہندوؤں کے مقدس وید (مذہبی کتابیں) بھی، صرف آریائی لوگوں کے لیے تھے اور غیر آریائی لوگوں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان کے ہاں سختی سے یہ حکم ہے کہ وید کے شبد (الفاظ) اگر کسی شُودر (کم ذات) کے کانوں میں پڑ جائیں، تو ان کے کانوں میں سیسہ (ایک دھات) پگھلا کر ڈال دیا جائے۔

گوتم بدھ کے مذہب کا پیغام اگرچہ باہر کی قوموں تک پہنچا، لیکن یہ کام بھی عیسائیوں کی طرح گوتم بدھ کے پیروکاروں نے انجام دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور گوتم بدھ کی سیرتیں اور ان کے پیغام عالمگیر نہیں۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ پیغامِ محمدی ﷺ سے پہلے، دنیا میں تمام بڑے بڑے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیغام، صرف خاص قوموں اور خاص علاقوں کے لوگوں تک محدود تھے اور عالمِ انسانیت کے دوسرے تمام انسان ہدایت کی اس روشنی سے محروم تھے۔

اب آپ غور فرمائیے کہ پیغامِ محمدی ﷺ ہی کائنات کا پہلا اور آخری پیغام ہے، جو دنیا میں رہنے والے ہر انسان کے لیے ہے۔ اس میں کسی بھی خاندان، نسل، قوم اور ملک کا فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ یہ کالے، گورے، عربی، عجمی، ترکی، تاتاری، ہندی، چینی، فرنگی سب کے لیے عام ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآنِ مجید کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو "ربّ العالمین"، یعنی تمام جہانوں کا پروردگار ٹھہرایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۱)

ترجمہ: "تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔"

(۱): سورۃ الفاتحۃ: آیت نمبر ۱۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کے بارے میں قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (۱)

”ہم نے (اے نبی) تمھیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

یوں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمۃ اللعالمین قرار دیا۔ آپ ﷺ تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے اور آپ ﷺ کا پیغام بھی تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر آیا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی سلطنت ہے، وہاں تک آپ ﷺ کی پیغامبری وسیع کر دی گئی ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نبیِ کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (۲)

ترجمہ: ”(اے نبی!) آپ کہہ دیں، اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کی سلطنت آسمانوں اور زمین میں ہے۔“

دیکھیے، اس آیت میں بھی پیغامِ محمدی ﷺ کی وسعت ساری کائنات تک بتائی گئی ہے:

وَاُوْحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ (۳)

ترجمہ: ”اور مجھ پر یہ قرآن، وحی کے طور پر اس لیے نازل کیا گیا ہے، تاکہ اس کے ذریعے میں تمھیں بھی ڈراؤں اور اُن سب کو بھی جنھیں یہ قرآن پہنچے۔“

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے نہایت واضح الفاظ میں نبیِ کریم ﷺ کی پیغامبری کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (۴)

---

(۱): سورۃ الانبیا: آیت نمبر ۱۰۷۔

(۲): سورۃ الاعراف: آیت نمبر ۱۵۸۔

(۳): سورۃ الانعام: آیت نمبر ۱۹۔

(۴): سورۃ سبا: آیت نمبر ۲۸۔

ترجمہ: ''اور ہم نے بھیجا تمھیں (اے محمد ﷺ!) تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ہوشیار کرنے والا (بنا کر)۔''

اوپر دیے گئے قرآنِ مجید کے حوالوں سے یہ حقیقت پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ تمام مذاہب میں صرف اسلام نے اپنے دائمی، آخری، کامل اور عالمگیر دین ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ ﷺ کی ایک حدیثِ مبارکہ ہے:

''وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً''(۱)

''مجھ سے پہلے ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف بھیجا گیا اور میں تمام انسانوں کے لیے بھیجا گیا ہوں۔''

نبیِ کریم ﷺ کی یہ حدیثِ مبارکہ بھی ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت ہے کہ پیغامِ محمدی ﷺ بھی اسی طرح کامل، دائمی اور عالمگیر ہے، جس طرح اس پیغام کے لانے والے کی سیرت اور اس کا عملی نمونہ کامل، دائمی اور عالمگیر ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا لایا ہوا آخری، دائمی اور عالمگیر پیغام کیا ہے؟

عام زندگی کے بارے میں غور فرمائیے کہ ہم جو بھی کام یا عمل کرتے ہیں، اس کے بارے میں ہمارے دل میں ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہم اس کام کے لیے نیت کرتے ہیں، پھر اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ہمارے اندر ایک یقین سا پیدا ہوتا ہے اور جب یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے تو ایمان بن جاتا ہے، تب ہم وہ کام کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم اپنے تمام کام اور اعمال ایمان کی بنیاد پر ہی انجام دیتے ہیں۔

اسی طرح اگر آپ غور فرمائیں، تو دیکھیں گے کہ ہر مذہب کے دو حصے ہیں:

ایک کا تعلق انسان کے دل سے ہے، جسے ہم اعتقاد یا ایمان کہتے ہیں۔

دوسرے حصے کا تعلق انسان کے جسم اور مال و دولت سے ہے، اسے عملِ صالح کہتے ہیں۔

---

(۱): صحیح البخاری، ج۱، کتاب التیمم، حدیث: ۳۳۶، و کتاب الصلاۃ، حدیث: ۴۳۸۔

عملِ صالح کے تین حصے ہیں:

ہمارے عمل کا جو حصہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے' اسے عبادات کہتے ہیں۔

عمل کا دوسرا حصہ جو آپس میں کاروبار سے متعلق ہے' اسے معاملات کہتے ہیں۔

عمل کا تیسرا حصہ انسان کے آپس کے تعلقات اور حقوق سے متعلق ہے' جسے اخلاقیات کہا جاتا ہے۔

اسی طرح یہ ثابت ہوا کہ دین کی بنیاد کے چار ستون ہیں:

① ایمانیات ' ② عبادات ' ③ معاملات ' ④ اخلاقیات ۔

اسلام سے قبل دوسرے مذاہب میں یہ چاروں حصے غیر واضح اور نامکمل تھے۔ پیغامِ محمدی ﷺ کے ذریعے ہی دین کے یہ چاروں حصے مکمل ہوئے۔ نبیِ کریم ﷺ نے دین کے ان چاروں حصوں کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ہدایت اور تعلیم فرمائی۔ ایمانیات' عبادات' معاملات اور اخلاقیات سے متعلق' کہیں کوئی بھی کسر نہیں چھوڑی' تاکہ ضرورت کے وقت کسی کمی کا احساس نہ ہو اور پھر یہ دیکھیے کہ صرف پیغام' ہدایت اور حکم ہی نہیں دیا' بلکہ پیغام دینے والے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان چاروں حصوں سے متعلق عملِ صالح کی ایسی مثالیں پیش کیں جو اس سے پہلے کسی مذہب اور کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش نہیں کیں۔ پیغامِ محمدی ﷺ یعنی قرآنِ مجید کا مقابلہ آپ دیگر مذہبی کتابوں سے کر لیجیے۔ تورات اور انجیل میں ایمانیات اور عقائد کا حصہ بالکل ناصاف اور غیر واضح ہے۔

ان مذہبی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات' اللہ تعالیٰ کے وجود اور اللہ تعالیٰ کی توحید یعنی اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا بیان تو ہے' لیکن اس بارے میں کوئی دلیل اور ثبوت نہیں دیے گئے' جبکہ دلیلوں اور ثبوتوں کے ذریعے ہی انسانوں کا ایمان قائم ہوتا ہے اور عقیدے بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد' اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذریعے ہی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت یعنی پہچان حاصل کر سکتے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات کا

ذکر، نہ تورات میں اور نہ ہی انجیل میں ہے۔ توحید کے علاوہ، رسالت اور نبوت کی حقیقت، قیامت، روزِ حساب، سزا اور جزا، جنت دوزخ اور آخرت کی زندگی کے دھندلے سے حوالے ملتے ہیں۔ ان مذہبی کتابوں میں فرشتوں کی حقیقت بھی ظاہر نہیں کی گئی۔ انجیل میں رُوح القدس، یعنی حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت اس طرح غیر واضح بیان کی گئی ہے کہ اُنھیں فرشتہ بھی سمجھا جا سکتا ہے اور اللہ بھی۔ ان مذہبی کتابوں کے مقابلے میں آپ دیکھیے کہ پیغامِ محمدی ﷺ میں توحید، رسالت اور نبوت سے متعلق ایک ایک نکتے کی نہایت وضاحت کی گئی ہے۔ ملائکہ یعنی فرشتوں کی حقیقت کو بھی مکمل طور پر واضح کیا گیا ہے، یہاں تک کہ ان کی حیثیت اور ان کے کام اور ذمہ داریاں تک بتا دی گئی ہیں۔ یہ تک کھول کر بتایا گیا ہے کہ ان فرشتوں کا اللہ تعالیٰ سے، پیغمبروں سے اور کائنات سے کیا تعلق ہے۔

ایمانیات کے بعد آیئے! اب ہم عملیات (اعمالِ صالحہ) کا جائزہ لیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا کہ اعمالِ صالحہ کا پہلا حصہ عبادات ہے۔ تورات میں نہ تو عبادات کی تقسیم دی گئی ہے، نہ ہی ان کے طریقے اور آداب بتائے گئے ہیں اور عبادات کے اوقات کی بھی وضاحت نہیں کی گئی کہ کون سی عبادت کس وقت کرنی ہے۔ اس کے علاوہ دعاؤں کی باقاعدہ تعلیم بھی نہیں دی گئی اور نہ ہی اللہ کو یاد کرنے کے لیے بندوں کو کوئی دعا سکھائی گئی ہے۔ قربانی، عبادات کا ہی ایک حصہ ہے۔ اس بارے میں طویل بحث کی گئی ہے اور قربانی کی شرائط اور آداب کی بڑی تشریح ہے، روزوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ بیت ایل (بیت اللہ) کا بھی نام آتا ہے، لیکن یہ تمام چیزیں سرسری طور پر بیان کی گئی ہیں اور اس قدر دُھندلی ہیں کہ ان پر لوگوں کی نظر نہیں پڑتی اور ان چیزوں پر، ان کا ایمان اور عقائد پختہ نہیں ہوتے، بلکہ لوگ ان کے انکار کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔

تورات کے بعد زبور کا جائزہ لے لیجیے۔ اس میں آپ کو خدا کی دعائیں اور مناجاتیں تو کثرت سے ملیں گی، لیکن عبادات کے طریقے، آداب، اوقات اور عبادات کی شرائط کا کوئی ذکر نہیں ملے گا۔ انجیل میں دیکھیں تو عبادات کا ذکر بہت کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک جگہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چالیس دن کے فاقے کا ذکر ہے، اسے ہم ''روزہ'' بھی کہہ سکتے ہیں۔

دعاؤں کے سلسلے میں صرف ایک دعا کا ذکر ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اس رات پڑھی تھی، جس رات اُنھیں سولی پر چڑھایا جانا تھا۔

اس کے مقابلے میں آپ غور فرمائیے کہ پیغامِ محمدی ﷺ میں ہر چیز صاف ہے اور نہایت تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے پیغام اور ذاتی عمل کے ذریعے ہمیں نماز، روزہ، حج، ان کے آداب و شرائط، ان کے اوقات اور اُنھیں ادا کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ انسان کی عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت پیدا کرنے والی اور اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق پیدا کرنے والی دعائیں، اپنے گناہوں کا اقرار، شرمندگی کا اظہار اور توبہ کر کے اللہ کی طرف لوٹنے والی دعائیں بھی سکھائی ہیں۔ عبادات کے سلسلے میں ہر طرح کی تعلیمات دی گئی ہیں، جو ہماری روح کی غذا ہیں۔ یہ ہماری ایمانیات کو بھی قائم کرتی ہیں اور انسانوں کے دلوں کی گرہوں کو کھول کر انھیں، اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتی ہیں۔

اعمالِ صالحہ کا دوسرا حصہ معاملات ہے۔ معاملات نبھانے اور قائم رکھنے کے لیے ہی معاشرے میں قوانین بنائے جاتے ہیں، تاکہ انسان ان قوانین اور احکامات کے پابند رہیں۔ اسی صورت میں ایک مثالی معاشرہ قائم ہوسکتا ہے۔

زبور اور انجیل اٹھا کر دیکھ لیجیے، طلاق وغیرہ سے متعلق ایک دو احکام انجیل میں ہیں۔ باقی قوانین اور احکام کے معاملے میں یہ بالکل صفر ہیں۔ جب عیسائیت پھیلی اور عیسائی معاشرہ قائم ہوا تو قوانین اور احکامات کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کا پیغام قوانین سے خالی تھا، اسی لیے اپنے معاشرے کو چلانے کے لیے عیسائی قوموں نے بُت پرست یونانیوں اور رومیوں کے قوانین اور احکامات اپنا لیے اور یوں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کے دین کی اصلیت اور حقیقت کو مزید بگاڑ دیا۔

اب معاملات کے سلسلے میں پیغامِ محمدی ﷺ کا جائزہ لیجیے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق، ایک تو اُس زمانے کے قوانین کی سختی کم کی، دوسرا بڑا کام یہ کیا کہ اس قانون کو صرف ایک قوم، یعنی عرب قوم کا ہی قانون نہیں رہنے دیا، بلکہ اسے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور

تمام قوموں کا قانون بنا دیا' گویا اسے عالمگیر حیثیت عطا کر دی۔ پیغامِ محمدی ﷺ کا یہ کمال ہے کہ اس نے زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے سلسلے میں زندگی کے ایک ایک حصے کی پوری گہرائی' تفصیل اور باریک بینی سے تشریح بھی کی' پھر ہدایات اور احکامات بھی پیش کیے۔ اس کے علاوہ انسانیت پر ایک اور بڑا احسان یہ بھی کیا کہ چونکہ انسانی زندگی اور تہذیب وتمدن دن رات ترقی کر رہے ہیں' ان میں جو نئے نئے معاملات پیش آتے رہتے ہیں' ان کے بارے میں بھی ایسے قاعدے اور اصول مقرر کر دیے' جن کی بنیاد پر ہمارے علماء ' ائمہ (۱) اور مجتہدین (۲) نئی نئی ضرورتوں کے تحت مسائل کا حل پیش کرتے ہیں' تا کہ پیغامِ محمدی ﷺ کی اصل روح اور وہ نقشہ برقرار رہے' جو نبی کریم ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں عملی طور پر قائم کر کے دکھا دیا تھا۔

آپ تاریخ کے صفحات کا مطالعہ کر لیجیے' کم از کم ایک ہزار برس تک جتنے بھی مسلمان حکمران آئے اور جتنی بھی ترقی یافتہ' تہذیب یافتہ اور روشن خیال اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں' اُن سب نے اسی قانون پر عمل کیا' جو پیغامِ محمدی ﷺ کی بنیاد پر قائم ہوا تھا اور اس سے بہتر قانون' دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی نبی پیش نہیں کر سکا۔

یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ آج یورپ و امریکہ کی قومیں اگرچہ زبانی طور پر اس بات کا اقرار نہ کریں' لیکن ان قوموں نے اپنے معاشروں کو مثالی معاشرے بنانے کے لیے قوانین اور احکامات کے بہت سے حصے' پیغامِ محمدی ﷺ سے ہی لیے ہیں۔

آیئے' اب ہم اعمالِ صالحہ کے تیسرے حصے یعنی اخلاقیات کا جائزہ لیتے ہیں۔

تورات میں دیکھیں' تو ہمیں اخلاقیات سے متعلق چند احکام ملتے ہیں۔ انجیل میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ انھی احکام کو دہرایا گیا ہے' لیکن پیغامِ محمدی ﷺ نے تو اخلاقیات کے بارے میں کمال کر دکھایا ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے ذاتی اخلاقیات کے ایسے ایسے اعلیٰ نمونے اور

(۱) ائمہ: امام کی جمع۔ مسلمانوں کے دینی عالم اور رہنما۔

(۲) مجتہدین: مجتہد کی جمع۔ وہ علماء جو قرآن 'سنت 'اجماع اور عقل کی روشنی میں شرعی اور اسلامی قانون اخذ کرتے ہیں۔

مثالیں قائم کر کے دکھادیں کہ انسان نہ صرف حیرت زدہ ہو جاتے ہیں' بلکہ ان سے متاثر ہو کر خود بھی اس اعلیٰ اخلاقیات کے راستے کے مسافر بن کر' اس راستے پر چلنا شروع کر دیتے ہیں۔

پیغامِ محمدی ﷺ نے اخلاقیات کے بارے میں جو بارہ اصولی احکام پیش کیے' یہ وہی احکام تھے' جو نبیِ کریم ﷺ کو معراج شریف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے دربار سے عطا ہوئے تھے اور ان کا ذکر قرآنِ مجید کی ''سورۃ اسریٰ'' میں کیا گیا ہے۔ غور کیجیے کہ ان بارہ احکام میں سے گیارہ احکام انسانی اخلاق سے متعلق ہیں اور صرف ایک حکم اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں ہے۔

پیغامِ محمدی ﷺ کا انسانوں پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس پیغام کے ذریعے' اخلاق کی ایک ایک گرہ کو کھولا گیا ہے۔ انسان کی ایک ایک کمزوری کو ظاہر کیا گیا ہے' انسان کی ایک ایک قوت کا بھی پتہ دیا گیا ہے' انسانی روح کی ایک ایک بیماری کی پہچان اور اس کا علاج بھی بتایا گیا ہے۔ غرض پیغامِ محمدی ﷺ نے اعلیٰ کردار' اعلیٰ سیرت اور اعلیٰ انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لیے' اخلاقیات کے جو اصول انسانوں کو عطا کیے' وہ کامل' دائمی اور عالمگیر ہیں اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے کام آئیں گے۔

غرض اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ اسلامی تعلیمات اور پیغامِ محمدی ﷺ کو صرف دو مختصر الفاظ میں ادا کیجیے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایمان اور عملِ صالح۔

یہی دونوں چیزیں پیغامِ محمدی ﷺ کا نچوڑ ہیں۔ قرآنِ پاک میں بھی انسان کی نجات کا دارومدار' اِنھی دونوں چیزوں پر رکھا گیا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ (1)

ترجمہ: ''انسان درحقیقت بڑے گھاٹے میں ہے' سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔''

ہمارے اللہ' ہمارے رسول ﷺ اور ہمارے دین کا' ہم سے پہلا اور آخری تقاضا صرف اور

(1): سورۃ العصر: آیت نمبر ۲،۳۔

صرف یہ ہے کہ ہمارا ایمان، پاک، مضبوط، پائیدار اور مستقل ہو اور ہمارا ہر عمل نیک اور صالح ہو۔

ہمارا اگلا سوال یہ تھا کہ اسلام سے پہلے آنے والے مذاہب میں کیا کمی تھی، ان میں کیا کیا تبدیلیاں ہو چکی تھیں اور پیغامِ محمدی ﷺ نے کس طرح ان غلطیوں کی درستی کی؟

آیئے اب ہم تفصیل سے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ پیغامِ محمدی ﷺ نے گزشتہ مذاہب کی کمی بیشی کو کیسے دور کیا، غلطیوں کی اصلاح کیوں کر فرمائی اور ایمان اور عمل سے متعلق، انسان جن جن غلط راستوں پر چل رہے تھے، انھیں وہاں سے ہٹا کر صراطِ مستقیم پر کس طرح چلایا۔

(۱) اسلام سے پہلے انسان اپنے آپ کو دوسری مخلوقات کے مقابلے میں کم درجہ اور کم رتبہ سمجھتے تھے۔ انسان اونچے پہاڑ، بہتے دریا، برستے پانی، سرسبز درخت، زہریلے سانپ، دہکتی اور بھڑکتی آگ، ڈکارتے شیر، دودھ دیتی گائے، چمکتے سورج، چاند ستاروں، غرض دنیا کی ہر اُس چیز سے، جس سے وہ ڈرتا تھا یا نفع حاصل کرنے کا خواہش مند تھا، اسے پوجتا تھا اور اس کے آگے سر جھکاتا تھا۔

پیغامِ محمدی ﷺ نے کائنات اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی گئیں تمام مخلوقات میں، انسان اور انسانیت کا بہترین درجہ متعین کیا، کیونکہ یہی توحید کی جڑ اور بنیاد ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے انسانوں کو یہ پیغام دیا کہ یہ تمام چیزیں تمھاری آقا نہیں، بلکہ تم ان کے آقا ہو، یہ تمھارے لیے پیدا کی گئی ہیں، تم ان کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہو، یہ تمھارے آگے جھکنے کے لیے پیدا کی گئی ہیں، تم ان کے آگے کیوں جھکتے ہو؟ تم اس ساری کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ ہو، اس لیے ساری مخلوقات اور کائنات تمھاری حکمرانی میں دی گئی ہے۔ قرآنِ پاک میں انسان کا اعلیٰ ترین درجہ متعین کرنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ (۱)

ترجمہ: ”(یاد کرو) جب تمھارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا، میں زمین میں اپنا

(۱): سورة البقرة: آیت نمبر ۳۰۔

خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔"

وَ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (۱)

ترجمہ: "اور اسی (خدا) نے تمھیں زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنایا ہے۔"

یہ پیغامِ محمدی ﷺ تھا، جس نے آدم علیہ الصلوٰۃ و السلام اور اولادِ آدم کو تمام کائنات میں بزرگی اور عزت عطا فرمائی اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ (۲)

ترجمہ: "اور ہم نے بہ تحقیق اور بلا شک وشبہ آدم کی اولاد کو بزرگ بنایا۔"

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جب اپنی مخلوقات میں عظیم ترین رتبہ عطا فرما دیا، تو یہ کتنی چھوٹی حرکت محسوس ہوتی ہے کہ اتنا اعلیٰ انسان جو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بھی ہو، اپنے سے کم تر اور کم درجہ مخلوق کے آگے سر جھکائے۔ یہ پیغامِ محمدی ﷺ ہی تھا، جس نے انسانوں کو یہ سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری دنیا تمھارے لیے ہی بنائی ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ (۳)

ترجمہ: "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ زمین میں ہے، سب تمھارے بس میں دے دیا ہے۔"

جانور تمھارے لیے پیدا ہوئے ہیں:

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (۴)

ترجمہ: "اور چوپائے اُسی نے پیدا کیے، جن میں تمھارے لیے سردی سے بچاؤ کا سامان (کھالوں اور اُون سے بنے لباس) ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت سے

---

(۱): سورۃ الانعام: آیت نمبر ۱۶۵۔

(۲): سورۃ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۷۰۔

(۳): سورۃ الحج: آیت نمبر ۶۵۔

(۴): سورۃ النحل: آیت نمبر ۵۔

فائدے ہیں، اور انھی میں سے تم کھاتے ہو۔"

بارش اور اس سے اُگنے والی سبزیاں اور درخت تمھارے لیے ہیں:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (۱)

ترجمہ: "وہی ہے، جس نے آسمان سے پانی برسایا، جس سے تمھیں پینے کی چیزیں حاصل ہوتی ہیں اور اُسی سے وہ درخت اُگتے ہیں، جن میں تم مویشیوں کو چراتے ہو۔ اُسی سے اللہ تمھارے لیے کھیتیاں، زیتون، کھجور کے درخت، انگور اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔"

رات، دن، چاند، سورج اور تارے سب تمھارے لیے ہیں:

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ (۲)

ترجمہ: "اور اُس نے دن اور رات کو اور سورج اور چاند کو تمھاری خدمت پر لگا رکھا ہے اور ستارے بھی اُس کے حکم سے کام پر لگے ہوئے ہیں۔"

دریا اور اُس کی روانی بھی تمھارے لیے ہے:

وَ هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۳)

---

(۱): سورۃ النحل: آیت نمبر ۱۰، ۱۱۔

(۲): سورۃ النحل: آیت نمبر ۱۲۔

(۳): سورۃ النحل: آیت نمبر ۱۴۔

ترجمہ: ''اور وہی ہے، جس نے سمندر کو کام پر لگایا، تا کہ تم اس سے تازہ گوشت (مچھلیاں) کھاؤ اور اس سے وہ زیورات نکالو، جو تم پہنتے ہو۔ اور تم دیکھتے ہو کہ اس میں کشتیاں پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور تا کہ شکر گزار بنو۔''

دوستو! اس انداز اور معانی کی بہت سی آیات قرآنِ پاک میں نازل کی گئی ہیں۔ ان آیتوں کے ذریعے پیغامِ محمدی ﷺ نے خوب اچھی طرح واضح کر دیا کہ انسان ہی کائنات کا سرتاج ہے اور کائنات کو اللّٰہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ غور کیجیے کہ اس حقیقت کو جان لینے کے بعد، انسان کے لیے کسی دوسری مخلوق یا مخلوق کی نشانی کے آگے سر جھکانا یا اس کے آگے خاک پر اپنی پیشانی رکھ کر سجدہ کرنا مناسب اور جائز ہے؟

اسلام سے قبل انسان جہاں دوسری مخلوقات کی پرستش اور پوجا کیا کرتے تھے، وہیں نادان انسانوں نے ایک اور رویہ بھی اپنا رکھا تھا کہ اُنھوں نے خود ایک دوسرے کو بھی اپنا خدا بنا لیا تھا۔ کچھ لوگ بزرگی کا لباس پہن کر اوتار (۱) بنے ہوئے تھے اور کچھ اپنی طاقت اور مال و دولت کے غرور اور تکبر میں فرعون اور نمرود بن کر انسانوں کو غلام بنائے بیٹھے تھے۔ کچھ راہب اور پوپ اور کچھ عالم اور درویش بن کر اپنے آپ کو معبود کی حیثیت سے منوا رہے تھے۔ یہ کھلم کھلا انسانیت کی ذلت تھی۔ پیغامِ محمدی ﷺ نے اس رویّے کو بھی جڑ سے کاٹ دیا اور صاف الفاظ میں بتا دیا:

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (۲)

ترجمہ: ''اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائے۔''

یہاں تک کہ نبیوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ یہ کہیں:

كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳)

---

(۱) اوتار: ولی اور خدا رسیدہ شخص۔ ہندوؤں کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کا دنیا میں کسی ولی کی شکل میں آنا۔

(۲): سورة آل عمران: آیت نمبر ٦٤۔ (۳): سورة آل عمران: آیت نمبر ٧٩۔

ترجمہ: ''خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔''

علاوہ ازیں فرشتوں اور نبیوں کا مقام بھی بہت بلند ہے، لیکن وہ بھی انسانوں کے معبود نہیں ہو سکتے:

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا (۱)

ترجمہ: ''اور نہ وہ (اللہ) تمھیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا قرار دے دو۔''

غور فرمائیے، پیغامِ محمدی ﷺ کے ذریعے انسان اور انسانیت کا درجہ اتنا بلند ہو گیا ہے کہ انسان کی پیشانی، ایک اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھک سکتی اور اس کے ہاتھ، ایک اللہ کے سوا کسی کے آگے نہیں پھیل سکتے۔ پیغامِ محمدی ﷺ نے جہاں انسانیت کے درجے کو بلند فرمایا، وہیں اللہ تعالیٰ کی توحید، عظمت اور بزرگی کی حقیقت بھی کھول کھول کر بیان کر دی ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِى الْاَرْضِ اِلٰهٌ (۲)

ترجمہ: ''وہی (اللہ) ہے جو آسمان میں بھی موجود ہے اور زمین میں بھی موجود ہے۔''

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (۳)

ترجمہ: ''یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اُسی کا کام ہے۔''

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۴)

ترجمہ: ''حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا۔''

---

(۱): سورۃ آل عمران: آیت نمبر ۸۰۔

(۲): سورۃ الزخرف: آیت نمبر ۸٤۔

(۳): سورۃ الاعراف: آیت نمبر ٥٤۔

(۴): سورۃ الانعام: آیت نمبر ٥۷۔

لَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ شَرِيۡكٌ فِى الۡمُلۡكِ (۱)

ترجمہ: ”کوئی اس کی بادشاہت میں شریک نہیں ہے۔“

غور فرمائیے کہ پوری کائنات کی اتنی بزرگ و برتر اور اعلیٰ ترین ہستی کا خلیفہ اور نائب بننا' کتنے بڑے اعزاز اور انعام کی بات ہے۔ خلافت کے نشے میں مست ہو کر ایک انسان' کیا کسی غیر خدا کے آگے جھک سکتا ہے؟ اندھیرا ہو یا روشنی' ہوا ہو یا پانی' بادشاہ ہو یا دشمن' جنگل ہو یا پہاڑ' خشکی ہو یا تری، کیا کبھی ایک سچے مسلمان کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈر سکتا ہے؟ کیا کسی ہستی کی پروا کر سکتا ہے؟ آپ اس تعلیم کی اخلاقی قوت ملاحظہ فرمائیے اور پیغامِ محمدی ﷺ کی بلندی پر غور کیجیے کہ کس طرح یہ انسان کو قوت عطا کر کے بلند درجے پر بٹھا دیتا ہے۔

۲ پیغامِ محمدی ﷺ کا تمام انسانوں پر دوسرا احسان یہ ہے کہ اس پیغام کے ذریعے پہلی بار انسانوں کو یہ بتایا گیا کہ انسان اپنی پیدائش کے لحاظ سے پاک ہے۔ انسان کی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے سادہ اور بے نفس بنایا ہے۔ یہ خود انسان ہی ہے' جو اپنے اچھے عمل سے فرشتہ اور برے عمل سے شیطان بن جاتا ہے اور اپنی فطرت کے سادہ ورق کو نیک اعمال سے روشن اور برے اعمال سے سیاہ کر لیتا ہے۔ چین' برما اور ہندوستان کے تمام مذاہب نے آواگون اور تناسخ جیسے نظریات پیش کیے۔ بعض بے وقوف یونانی عالموں اور حکیموں نے بھی ان نظریات اور خیالات سے اتفاق کیا۔ آواگون اور تناسخ کے نظریات کے مطابق انسان اس دنیا میں کئی بار جنم لیتا ہے اور اس کا کسی جنم میں پیدا ہونا' اس بات کا ثبوت ہے کہ اس انسان نے پچھلے جنم میں کوئی گناہ کیا تھا' جس کی سزا میں وہ آئندہ جنم میں اپنی تقدیر کے مطابق انسان کے علاوہ' کسی جانور کی شکل میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اس گھٹیا وہم نے انسان کو انسانیت کے درجے سے گرا کر

(۱): سورۃ الفرقان: آیت نمبر ۲۔

بالکل بے کار کر دیا اور ان کی پیٹھوں پر گناہ کا بھاری بوجھ رکھ دیا۔ عیسائی مذہب نے بھی اس بوجھ کو کم نہیں کیا' بلکہ مزید بڑھا دیا۔ عیسائی مذہب نے انسانوں کو یہ عقیدہ دیا کہ سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک لغزش (بھول) ہوگئی تھی اس لیے تمام انسان اپنے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکم عدولی کے سبب پیدائشی طور پر گناہ گار ہیں' خواہ انھوں نے ذاتی طور پر کوئی بھی گناہ نہ کیا ہو۔ لیکن دیکھیے' نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غم زدہ انسانوں پر کیا عظیم احسان فرمایا' انھیں یہ خوشخبری سنائی کہ تم نہ تو اپنے پچھلے جنم اور کرم (تقدیر) کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہو اور نہ ہی اپنے باپ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لغزش کی وجہ سے پیدائشی گناہ گار ہو' بلکہ تم اصل اور فطرت کے لحاظ سے پاک وصاف اور بے عیب ہو۔ اب یہ تمھارے اپنے ہاتھ میں ہے کہ تم خود اپنے عمل سے اپنی صفائی اور پاکی کو قائم رکھو یا نجس اور ناپاک بن جاؤ۔ نبیِ آخر الزّماں ﷺ نے انسانوں کو' اُن کی اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بہترین حالت' بہترین اعتدال اور راستے پر پیدا کیا ہے' صرف اپنے عمل کی بنیاد پر وہ نیک یا بد ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس نکتے کی گواہی ان الفاظ میں دی ہے:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝
اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ (۱)

ترجمہ: ''قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طُور سینا کی اور اس امن والے شہر (مکّہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔ پھر ہم اسے

(۱): سورۃ التین: آیت نمبر ۱ تا ٦۔

ادنیٰ ترین مخلوق کے درجے میں لوٹا دیتے ہیں، سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے، تو اُن کو ایسا اجر ملے گا، جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔"

اس بارے میں اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَاO فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَاO

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاO وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاO (۱)

ترجمہ: "قسم ہے انسان کے نفس کی اور اُس کی، جس نے اسے سنوارا۔ پھر اس کے دل میں وہ بات بھی ڈال دی، جو اس کے لیے بدکاری کی ہے اور وہ بھی، جو اس کے لیے پرہیزگاری کی ہے۔ فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے اور نامراد وہ ہوگا جو اس کو (گناہ میں) دھنسا دے۔"

۳ پیغامِ محمدی ﷺ کا انسانیت پر ایک اور بڑا احسان یہ ہے کہ اس پیغام نے اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو غلط تصورات چلے آ رہے تھے، انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اسی پیغام نے انسانوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک کرنا اور کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھنا، سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ تمام انبیاء اور رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام، اللہ تعالیٰ کے خاص اور معصوم بندے ہیں۔ ان کے بارے میں تعصب برتنا، یعنی کسی رسول اور نبی کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا بھی کُفر میں شامل ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے، تو اس وقت دنیا کی آبادی مختلف خاندانوں میں بٹی ہوئی تھی، جن کے مذہبی نظریات اور تصورات اور خیالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ ان کے عقیدے بھی مختلف تھے اور وہ ایک دوسرے کے عقیدوں سے نفرت کیا کرتے تھے۔ ہندوستان کے رشیوں اور

(۱): سورۃ الشمس: آیت نمبر ۷ تا ۱۰۔

منیوں یعنی ان کے مذہبی عالموں کا خیال یہ تھا کہ پرمیشور یعنی اللہ صرف ہندوستان میں رہنے والے آریانسل (۱) کے لوگوں کی بھلائی چاہتا ہے' کیونکہ یہ سب سے افضل اور پاک قوم ہے' اس لیے تمام انسانوں کو ہدایت دینے اور ان کی رہنمائی کرنے کا حق' صرف ان کے چند خاندانوں کو حاصل ہے۔

زَرتشت کے مطابق ایران کی سرزمین سب سے پاکیزہ تھی' اسی لیے اسے پوری دنیا کے علاوہ صرف ایران کی زمین پر ہی اللہ تعالیٰ کی آواز سنائی دیتی تھی' یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور پیغام ایران کی سرزمین کے علاوہ دنیا میں کہیں نہیں آسکتا تھا۔ بنی اسرائیل اس فخر اور غرور میں مبتلا تھے کہ ہم نبیوں اور رسولوں کی اولاد ہیں اور ہماری قوم کے علاوہ کسی دوسری قوم میں کوئی نبی اور رسول نہیں آ سکتا۔

پیغامِ محمدی ﷺ نے' مختلف خاندانوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے ان انسانوں کو' جو صرف اپنی بڑائی اور فخر وغیرہ میں مبتلا تھے' ایک خاندان اور ایک برادری بنایا اور ان کے غلط اور بے ہودہ عقیدوں اور تصورات کو مٹا ڈالا۔ پیغامِ محمدی ﷺ نے انسانوں کو پہلی بار یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی آواز مشرق' مغرب' شمال' جنوب ہر جگہ سنی جاسکتی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ ساری دنیا ایک ہی اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ کی نعمتوں اور رحمتوں میں ساری قومیں اور نسلیں برابر کی شریک ہیں۔ ایران ہو یا ہندوستان' چین ہو یا یونان' عرب ہو یا شام' ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا نور ایک جیسا ہی چمکا۔ جہاں جہاں بھی انسانوں کی آبادی تھی' اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامبر' یعنی اپنے نبی اور رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے اور انھی کے ذریعے تمام انسانوں کے لیے اپنے پیغامات اور احکامات روانہ کیے۔ اللہ کی ہدایت کسی خاص نسل' خاص قوم' خاص ملک اور خاص سرزمین کے لیے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی چاہا' لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنا پیغمبر بھیجا' جیسا کہ قرآنِ پاک میں بھی اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) آریانسل: وسطِ ایشیا میں رہنے والی قوم' جو بعد ازاں برِاعظم ہند اور یورپ میں پھیل گئی۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ○ (۱)

ترجمہ: ''اور کوئی قوم ایسی نہیں، جس میں کوئی ہوشیار کرنے والا نہ گزر چکا ہو۔''

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ○ (۲)

ترجمہ: ''اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے۔''

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ (۳)

ترجمہ: ''اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر، اُن کی قوموں کے پاس بھیجے۔''

آپ اس نکتے پر غور فرمایئے کہ پیغامِ محمدی ﷺ کا ہی نتیجہ ہے کہ کوئی شخص اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں پر، تمام آسمانی کتابوں پر اور آسمانی پیغامات پر سچے دل سے یقین نہ رکھے۔

مسلمان کون ہے؟

اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں صاف صاف واضح کر دیا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ (۴)

ترجمہ: ''اور جو اس (وحی) پر بھی ایمان لاتے ہیں، جو آپ پر اتاری گئی اور اُس پر بھی، جو آپ سے پہلے اتاری گئی اور آخرت پر وہ مکمل یقین رکھتے ہیں۔''

قرآنِ مجید کی سورۃ البقرۃ کے آخر میں تمام پیغمبروں اور ان کے ماننے والوں کے بارے میں بھی بتایا گیا کہ:

---

(۱): سورۃ فاطر: آیت نمبر ۲٤۔

(۲): سورۃ الرعد: آیت نمبر ۷۔

(۳): سورۃ الروم: آیت نمبر ٤۷۔

(۴): سورۃ البقرۃ: آیت نمبر ٤۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (۱)

ترجمہ: ''سب ایمان لائے اللّٰہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر' (وہ کہتے ہیں) ہم اس کے رسولوں میں' ایک دوسرے کے درمیان' کوئی فرق نہیں کرتے۔''

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کی رحمت' آپ ﷺ کی رواداری اور ہمدردی کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔

اس دنیا میں نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کون سا رسول اور پیغمبر ہے' جس نے ایسا انسانی بھائی چارہ اور ایسی رُوحانی مساوات کا سبق دیا ہو اور تمام انسانوں کو ایک برادری کا درجہ عطا کیا ہو؟ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور رسولوں علیھم الصلوٰۃ والسلام کی سچائی اور ان کے سچے مذاہب کے لیے' حقیقی ادب اور تعظیم کا سبق' محمد رسول اللّٰہ ﷺ کے سوا اور کس نے دیا ہے؟

۴ پیغامِ محمدی ﷺ کا ایک اور بڑا احسان' انسانوں پر یہ ہے کہ اس نے اللّٰہ اور بندے کا تعلق مضبوط کرنے کے لیے درمیان میں قائم کیے گئے' ہر واسطے کو ختم کر دیا۔ اسلام سے پہلے بت خانوں میں پجاری اور کاہن تھے' جن کی مدد کے بغیر کسی کو عبادت کی اجازت نہیں تھی۔ یہودیوں نے بھی بنی لاوی اور ان کی نسل کو سب سے اعلیٰ درجہ دے رکھا تھا اور اللّٰہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے یہودی' اس خاندان کو درمیان میں واسطہ بنایا کرتے تھے۔ اسی طرح عیسائی مذہب کے بعض حواری اور ان کے جانشین پوپ (عیسائیوں کے مذہبی رہنما) تمام انسانوں کے گناہ معاف کرنے کا اختیار رکھتے تھے۔ ہندو مذہب کی تعلیم یہ تھی کہ ان میں سب سے اونچی ذات' یعنی برہمن خاندان کے لوگ' خاص طور پر اللّٰہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ سے پیدا ہوئے ہیں' اس لیے اونچا درجہ رکھتے ہیں اور

(۱): سورۃ البقرۃ: آیت نمبر ۲۸۵۔

اللّٰہ اور بندے کے درمیان' یہی لوگ مقدس واسطہ ہیں اوران کے بغیر ہندوؤں کی کوئی عبادت نہیں ہوسکتی، مگر آپ دیکھیے کہ اسلام میں پجاریوں' کاہنوں، پوپوں اور پادریوں کی کوئی جماعت نہیں ہے۔ اسلام میں اللّٰہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے اور اللّٰہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے اللّٰہ اور بندے کے درمیان کسی غیر کا کوئی دخل ہے نہ واسطہ۔ گناہوں کی معافی کا حق بھی صرف اللّٰہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

دینِ اسلام میں ہر شخص جو مسلمان ہے' وہ نماز کا امام ہوسکتا ہے' قربانی کرسکتا ہے' نکاح پڑھا سکتا ہے۔ ہر مسلمان دینِ اسلام کی تمام رسموں کو انجام دے سکتا ہے۔ ہر شخص کسی واسطے کے بغیر' اللّٰہ تعالیٰ سے باتیں کرسکتا ہے اور اپنی دعاؤں کے ذریعے اللّٰہ کو پکار سکتا ہے اور اپنی ہر حاجت اور ضرورت اس کے سامنے پیش کرسکتا ہے' کیونکہ اللّٰہ تعالیٰ نے خود فرمادیا ہے کہ:

اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ (۱)

ترجمہ: ''مجھے پکارو' میں تمھاری درخواست قبول کروں گا۔''

دیکھیے' یہ اللّٰہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ ہم تمام انسانوں کو محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے سب سے بڑی آزادی کی نعمت حاصل ہوئی' یعنی اللّٰہ کے معاملے میں انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات ملی۔

۵ حضرت محمد ﷺ نے اپنے پیغام کے ذریعے انسانوں کو ایک اور بڑی گمراہی اور گناہ سے نجات دلائی اور انھیں نبیوں اور رسولوں علیھم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں درست اور درمیانی راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اللّٰہ تعالیٰ نے جو نبی اور رسول علیھم الصلوٰۃ والسلام بھیجے' ان کی قوموں نے ان کی تعظیم اور عقیدت میں بہت مبالغہ اختیار کیا۔ نادان انسانوں نے ان رسولوں اور انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کو' کہیں اللّٰہ کا درجہ دیا'

(۱): سورۃ المؤمن: آیت نمبر ۶۰۔

کہیں اللہ کا روپ کہا اور کہیں اللہ کا عکس قرار دیا۔ بابل اور مصر کے ہیکلوں (عبادت خانے) میں ان کے کاہنوں کی شان خدا کی طرح نظر آتی تھی، یعنی لوگ انھیں خدا کی طرح پوجتے تھے۔ ہندو مذہب میں اوتاروں (دیوتا) کو بھی خدا کا درجہ دیا جاتا تھا۔ چین میں بدھ مذہب کے چینیوں نے اپنے بودھوں (مذہبی رہنما) کو ہی خدا تسلیم کر لیا تھا۔ عیسائیوں کا بھی اپنے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔

بنی اسرائیل نے نبی اور پیغمبر ہونے کے لیے، انتہائی غلط اصول قائم کر رکھے تھے۔ وہ نبی اور رسول کے اعلیٰ مقام کو، انتہائی معمولی درجے پر لے آئے تھے۔ ان کے نزدیک کوئی بھی شخص، خواہ وہ کتنا ہی گناہگار اور اخلاقی طور پر کتنا ہی کمزور ہو، لیکن اگر وہ پیش گوئی کر سکتا ہو، تو وہ نبی اور پیغمبر ہے۔

دینِ اسلام نے صحیح طور پر نبی اور رسول کا درجہ مقرر کیا اور انسانوں کو بتایا کہ نبی نہ تو خدا ہیں نہ اوتار، نہ خدا کی تصویر، نہ خدا کے بیٹے اور نہ ہی خدا کے رشتے دار۔ تمام نبی علیھم الصلوٰۃ والسلام آدمی اور بشر ہیں، مگر کامل انسان ہیں۔

آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میں بشر ہوں، کافر یہ بات سن کر تعجب اور حیرانی سے کہتے تھے:

اَبَشَرًا رَّسُوْلًا "کیا بشر رسول؟"

کیونکہ ان کے نزدیک رسول یا نبی انسانوں سے ہٹ کر کوئی الگ مخلوق تھے، چنانچہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۱)

ترجمہ: "کہہ دیجیے اے پیغمبر! میں بھی تمھاری ہی طرح بشر ہوں۔"

(۱): سورۃ الکھف: آیت نمبر ۱۱۰، سورۃ فُصِّلت: آیت نمبر ۶۔

اس لیے اللہ کے کارخانے، یعنی کائنات کی کوئی بھی چیز، ڈائریکٹ یا براہِ راست کسی نبی یا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اختیار میں نہیں ہے۔ انھوں نے جب بھی کچھ کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے اشارے اور حکم کے مطابق کیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے یہ بھی واضح کیا کہ اگرچہ انبیاء اور رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام بے شک انسان اور بشر ہیں، لیکن اپنے علم و کمالات اور مرتبے کے لحاظ سے اور اپنے احترام اور عزت کی وجہ سے، ان کا درجہ تمام انسانوں سے بلند ہے۔ انبیاء اور رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے گفتگو اور کلام کرتے ہیں۔ ان پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ بے گناہ اور معصوم ہوتے ہیں، تاکہ وہ گناہ گاروں اور عام انسانوں کے لیے نمونہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی اجازت سے نبیوں اور رسولوں کے ہاتھوں سے اپنی قدرت کے عجیب عجیب نمونے اور معجزے دکھاتا ہے۔ تمام انبیاء اور رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں اور انھیں صراطِ مستقیم پر چلانے کے لیے بہترین کوشش کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سچے، فرماں بردار اور خاص بندے ہوتے ہیں، اس لیے تمام نبیوں اور رسولوں کی عزت و تعظیم ہم سب پر فرض ہے۔

دوستو! اب آپ پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہو گی کہ پیغامِ محمدی ﷺ نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں بھی معتدل اور درمیانی راہ قائم کی، جو ہر قسم کی زیادتی اور کمی سے پاک ہے۔

تو یہ تھے وہ تمام احسانات، جو نبیِ آخر الزّماں ﷺ کے پیغام نے پورے عالمِ انسانیت پر کیے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ نبیِ آخر الزّماں ﷺ نے پہلے تو لوگوں کو گمراہی کے غلط راستے سے ہٹایا، ان کے ایمان درست کیے، انھیں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اعمالِ صالحہ، یعنی نیک عمل کرنے کے قابل بنایا، پھر انھیں صراطِ مستقیم، یعنی وہ سیدھا راستہ دکھایا کہ جس پر چل کر انسان، دین اور دنیا اور دونوں جہانوں کی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ سَلِّمْ

آٹھواں خطبہ

پیغامِ محمدی ﷺ کی عملی حیثیت

دوستو! گزشتہ خطبے میں آپ نے حضرت محمد ﷺ کے عالم گیر اور دائمی پیغام کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ اب اس آٹھویں خطبے میں، حضرت محمد ﷺ کے پیغام کا عملی نقشہ، اِن زاویوں سے آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے کہ:

★ ...... حضرت محمد ﷺ کے عالم گیر اور دائمی پیغام کے نتیجے میں، دینِ اسلام کی کون کون سی بنیادی اور عملی تعلیمات سامنے آئیں؟

★ ......ان عملی تعلیمات کا کیا درجہ اور کیا اہمیت ہے؟

★ ......اور ایک مسلمان کے لیے ان بنیادی تعلیمات پر صرف ایمان رکھنا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اپنی پوری زندگی میں ان تعلیمات پر عمل کرنا، سب سے بڑا فرض ہے۔

پیغامِ محمدی ﷺ کا سب سے بڑا احسان تو یہ ہے کہ اس پیغام نے دین کو ہر قسم کی ملاوٹ اور میل کچیل سے پاک کر کے، خالص اور اصلی شکل میں پیش کیا اور سارا زور اس بات پر دیا کہ اس اصلی اور خالص دین کی تعلیمات پر مکمل عمل کیا جائے۔ حضرت محمد ﷺ کے پیغام اور تعلیمات کا یہ عملی پہلو دراصل وہ معجزہ ہے، جس نے پوری دنیا کے انسانوں کی حالت اور قسمت کو مکمل طور پر بدلنے کے لیے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔

حضرت محمد ﷺ نے اپنے پیغام کے ذریعے توحید کا یہ خالص تصور پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہیں اور ان کی ذات میں کسی کو شریک کرنا عظیم ترین گناہ ہے۔ دراصل تمام سچے دین،

توحید کا یہی خالص تصور دنیا میں لے کر آئے، لیکن تین وجوہات کی بنا پر توحید کے اس خالص تصور میں غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہوئیں اور تمام ادیان کی اصل شکل بگڑ گئی۔

1 توحید کا خالص تصور بگڑنے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی جسمانی شباہت اور تمثیل پیش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ اور بندے کے تعلق کو ظاہر کرنے کے لیے، کچھ مذاہب نے اللہ تعالیٰ کی جسمانی شباہت کو خیالی اور مادی تصویروں کے ذریعے ظاہر کیا۔ جس نے آگے چل کر بُت پرستی کی شکل اختیار کر لی اور یوں بتوں کی پوجا شروع ہوگئی۔ آریائی قوموں نے اپنے مذہب میں اللہ اور بندے کے تعلق کو ماں اور بیٹے کی مثال میں ادا کیا، اس لیے خدا ''ماتا'' (ماں) کی شکل میں آ گیا۔ کچھ ہندو قوموں میں یہ تعلق میاں اور بیوی کے الفاظ میں ادا کیا گیا، لہٰذا سدا سہاگ فقیروں[1] نے ساڑھی اور چوڑی پہن کر اس حقیقت کو نمایاں کیا۔ رومیوں اور یونانیوں نے خدا کو عورت کی شبیہ میں ظاہر کیا۔ بنی اسرائیل نے ابتدا میں خدا کو باپ اور تمام فرشتوں اور انسانوں کو اس کی اولاد قرار دیا۔ عیسائیوں کے ہاں بھی باپ اور بیٹے کی تمثیل نے حقیقت کی جگہ لے لی۔ نبیِ کریم ﷺ کے پیغام سے پہلے عربوں کے ہاں بھی خدا کو باپ اور فرشتوں کو اس کی بیٹیاں سمجھا جاتا تھا۔

حضرت محمد ﷺ کے پیغام نے ان تمام شباہتوں، مثالوں اور رشتوں کو ایک دم ختم کر کے، ان کا تصور اور استعمال ''شرک'' قرار دیا اور صاف صاف اعلان کر دیا کہ:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[2]

''اُس جیسی اور اُس کی مثل کوئی چیز نہیں۔''

اس چھوٹی سی آیت نے شرک کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ کفار نے ایک بار نبیِ کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی اصل ذات کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاخلاص نازل فرما کر اپنی

(1) سدا سہاگ فقیر: ایک ہندو فرقے کے فقیر، جو اللہ کے عشق میں زنانہ روپ دھار کر ناک میں نتھنی، ہاتھوں میں چوڑیاں اور لباس میں ساڑھی پہنا کرتے ہیں۔

(2): سورۃ الشوریٰ: آیت نمبر: ١١۔

حقیقت ظاہر فرمادی۔ قرآنِ مجید کی اس مختصر ترین سورت (سورۃ الاخلاص) نے اللّٰہ تعالیٰ کی ذات کو ہر شباہت، ہر مثال، ہر رشتے، ہر وہم اور مغالطے سے پاک کر دیا اور یوں اللّٰہ کریم کی اصلی اور خالص توحید سامنے آ گئی۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ — کہہ دے (اے پیغمبر!) اللہ ایک ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ — اللہ بے نیاز ہے۔ (یعنی اللہ خود بے نیاز اور بے پروا ہے لیکن تمام چیزیں اس کی نیازمند ہیں۔)

لَمْ یَلِدْ — نہ وہ جنتا ہے۔ (چونکہ وہ جنم نہیں دیتا، اس لیے اس کی کوئی اولاد نہیں۔)

وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ — اور نہ وہ جنا جاتا ہے۔ (یعنی اللہ کے کوئی والدین نہیں کہ وہ اولاد ہو اور پھر خدا بھی ہو۔)

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝[1] — اور نہ کوئی اس کی برابری کرنے والا ہے۔ (جب کوئی اس کی برابری کرنے والا نہیں ہے، تو پھر اللہ سے میاں بیوی کا رشتہ بھی قائم نہیں ہوسکتا۔)

دوستو! اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغامِ محمدی ﷺ نے خدا اور بندے کے درمیان محبت، پیار اور لطف و کرم کے تعلقات کو توڑ دیا ہے، بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط کیا ہے، یہ بتا کر کہ باپ، بیٹے، ماں، بیٹیاں، بیوی اور شوہر کا تعلق کم درجے کا ہے، جبکہ اللّٰہ اور بندے کا تعلق اعلیٰ درجے کا ہے۔ اسلام نے اللّٰہ کو "ابوالعالمین" یعنی دنیا کا باپ نہیں کہا بلکہ "ربّ العالمین" یعنی تمام دنیا کو پالنے والا کہا ہے۔ دینِ اسلام میں اَبْ (باپ) سے رَبْ کا رُتبہ بہت بلند ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اپنے قرآنی پیغام میں یہ کہا کہ:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا[2]

(۱):سورۃ الاخلاص: پارہ ۳۰۔
(۲):سورۃ البقرۃ: آیت نمبر ۲۰۰۔

ترجمہ: ”تم اللہ کو اس طرح یاد کرو جیسے اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بہت بڑھ کر (یاد کرو)۔“

آپ غور فرمائیے کہ باپ کا تعلق بیٹے سے وقتی اور عارضی ہے، لیکن اللہ کریم کا تعلق اپنے بندے کے ساتھ، اس کے وجود کے پہلے لمحے سے لے کر، آخری لمحے تک یعنی اس دنیاوی زندگی سے لے کر، آخرت کی زندگی میں ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اسی پیغامِ محمدی ﷺ نے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ ”وَدُوْد“ یعنی محبت کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ ”رَءُوف“ ہے، یعنی ایسی راحت اور محبت جو باپ کو بیٹے سے ہے۔ اللہ ”حَنَّان“ ہے، یعنی ایسی محبت والا، جیسی محبت ماں کو بیٹے سے ہے، مگر اللہ تعالیٰ نہ تو ماں ہے، نہ ہی باپ، بلکہ اللہ تعالیٰ اِن شباہتوں، مثالوں اور رشتوں سے پاک ہے۔

۲ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اصل اور خالص تصور بگڑنے کی دوسری وجہ، اللہ تعالیٰ کی صفات، یعنی اُن کی خوبیوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے الگ مستقل وجود کے طور پر تسلیم کرنا، جیسا کہ ہندو مذہب میں ہوا کہ اللہ تعالیٰ ”علیم“ (علم والا) ہے، تو اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو، انھوں نے علم کی دیوی کی شکل میں ڈھال لیا۔ اللہ تعالیٰ ”مُمِیت“ (موت دینے والا) ہے، تو انھوں نے موت کی دیوی تراش لی۔ اللہ تعالیٰ ”قَوِیّ“ ہے، تو اس کی قوت کی صفت کو انسانی ہاتھ کے ذریعے ظاہر کیا اور اس کی جسمانی مثال دینے کے لیے، کئی ہاتھوں والا بُت بنا کر اس کی پُوجا شروع کر دی۔ انھی صفات کی بنیاد پر بنائے گئے، بے شمار دیوی، دیوتاؤں کو پوجنے والوں کے، بے شمار فرقے بھی وجود میں آ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو مذہب میں بے شمار خداؤں کی ایک پوری فوج نظر آتی ہے۔ یہ اسی غلطی کا نتیجہ ہے کہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی اصل ذات کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ہر ایک صفت کو ایک علیحدہ اور مستقل وجود مان لیا اور یوں ایک خدا کے تینتیس (۳۳) کروڑ خدا بن گئے۔

عیسائیوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی تین بڑی صفتوں یعنی حیات، علم اور ارادہ کو تین مستقل شخصیات تسلیم کر لیا۔ ان کے مذہب میں ”حیات“ سے مراد باپ یعنی اللہ ہے۔ ”علم“ سے مراد روح القدس یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور ”ارادہ“ سے مراد بیٹا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ہیں۔ اسی طرح کے خیالات یونانی، رومی اور مصری تہذیبوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کا یہ عظیم احسان ہے کہ اُن کے آسمانی پیغام نے، اِن تمام غلط خیالات اور تصورات کا پردہ چاک کیا۔

قرآن نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱)

ترجمہ: ”سب تعریفیں اُس ایک اللہ کے لیے ہیں، جو تمام جہاں کا پالنے والا ہے۔“

وَلَہُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (۲)

ترجمہ: ”سب اچھی صفتیں اُسی کے لیے ہیں۔“

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳)

ترجمہ: ”آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے، ان سب میں صرف ایک اللہ کا نور ہے۔“

اللہ تعالیٰ، رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کی اسی صفت کے تحت، عرب میں عیسائی لوگ اللہ کو ”رحمٰن“ کہتے تھے اور عام مشرک ”اللّٰہ“ کہا کرتے تھے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (۴)

ترجمہ: ”آپ فرما دیجیے کہ اُسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو گے، سب بہترین نام اُسی کے ہیں۔“

فَاللّٰہُ ھُوَ الْوَلِیُّ وَھُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۵)

ترجمہ: ”سچ تو یہ ہے کہ رکھوالا اللہ ہی ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی

(۱): سورۃ الفاتحہ: آیت نمبر ۱۔
(۲): سورۃ الروم: آیت نمبر ۲۷۔
(۳): سورۃ النور: آیت نمبر ۳۵۔
(۴): سورۃ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۱۱۰۔
(۵): سورۃ الشوریٰ: آیت نمبر ۹۔

ہر چیز پر قادر ہے۔"

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ
وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝ (۱)

ترجمہ: "اور وہی آسمان میں خدا ہے اور وہی زمین میں خدا ہے اور وہی حکیم و علیم، حکمت والا اور جاننے والا ہے۔"

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ۘ
اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ۝ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ؕ رَبُّكُمْ
وَ رَبُّ اٰبَآىٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ (۲)

ترجمہ: "یقیناً وہی ہر بات سننے والا، علم والا ہے، جو آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے بیچ میں ہے، سب کا رب ہے اور تمھارے پہلے گزرے ہوئے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔"

قرآنِ پاک نے سورۃ حشر میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفتوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ
الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ
الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا
یُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ
یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (۳)

ترجمہ: "وہ اللہ وہی ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ چھپی اور کھلی ہر

---

(۱): سورة الزخرف: آیت نمبر ۸٤۔

(۲): سورة الدخان: آیت نمبر ٦ تا ۸۔

(۳): سورة الحشر: آیت نمبر ۲۲ تا ۲٤۔

بات کو جاننے والا ہے۔ وہی ہے جو سب پر مہربان ہے' بہت مہربان ہے' وہ اللّٰہ وہی ہے' جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' جو بادشاہ ہے' تقدس کا مالک ہے' سلامتی دینے والا ہے' امن بخشنے والا ہے' سب کا نگہبان ہے' بڑے اقتدار والا ہے' ہر خرابی کی اصلاح کرنے والا ہے' بڑائی کا مالک ہے۔ پاک ہے اللّٰہ اس شرک سے' جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ وہ اللّٰہ وہی ہے' جو پیدا کرنے والا ہے' وجود میں لانے والا ہے' صورت بنانے والا ہے۔ اسی کے سب سے اچھے نام ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں میں جتنی چیزیں ہیں' وہ اس کی تسبیح کرتی ہیں' اور وہی ہے اقتدار کا مالک' حکمت کا بھی مالک۔''

غور فرمایئے کہ اِن صفتوں والے ایک اللّٰہ کو' ہم نے صرف اور صرف پیغامِ محمدی ﷺ کے ذریعے جانا اور پہچانا' ورنہ دوسروں نے تو ذات سے صفات کو الگ کر کے' ایک اللہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔

۳ اللہ تعالیٰ کی توحید کے حقیقی تصور کو ایک اور غلط فہمی نے بگاڑا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بے شمار نمونوں اور کاموں کی رنگا رنگی سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ کائنات میں مختلف کام کرنے کے لیے مختلف ہستیاں ہیں۔ کوئی ہستی مارتی ہے' کوئی زندہ کرتی ہے' کوئی لڑائی کرواتی ہے اور کوئی صلح کرواتی ہے۔ غرض ہر کام کے لیے الگ الگ سینکڑوں خدا گھڑ لیے۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ تمام افعال یعنی کاموں کی دو بڑی قسمیں ہیں ایک خیر اور ایک شر۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ ایک قسم اچھی ہے اور دوسری بُری۔ اسی لیے زرتشت مذہب کے ماننے والوں نے خیر اور اچھی چیزوں کے لیے ''یزداں'' کے نام سے ایک خدا بنا لیا۔ اس کے برعکس شر اور بُری چیزوں کے لیے ''اہرمن'' کے نام سے دوسرا خدا گھڑ لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خیر اور شر کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔ اس دنیا کے کارخانے اور اس کے کاموں پر ہم غور کریں' تو یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ اس دنیا میں کوئی چیز اپنی اصل کے لحاظ سے' نہ خیر ہے اور نہ شر۔ آپ آگ کی مثال لیجیے۔ اگر اس

سے انجن چلاؤ یا کھانا پکاؤ یا غریب کو تاپنے کے لیے دو تو یہ چیز خیر ہے اور اگر کسی غریب کا گھر جلا دو تو یہ شر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنی نیت اور ذاتی استعمال سے کسی بھی چیز کو خیر یا شر بنا سکتے ہیں۔

اب آپ دیکھیے کہ یہ کائنات اور اس کائنات کے عجوبے اور خاصیتیں تمام انسانوں کے سامنے ایک ہی انداز سے موجود ہیں، لیکن انھیں دیکھنے والے دماغ ہزاروں ہیں، جو اپنی اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق ان سب چیزوں کو دیکھ رہے ہیں۔ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے ان عجوبوں اور کائنات کی رنگارنگی کو دیکھ کر، خدا کی عظمت کو پہچان کر، خدا پرست ہو جاتا ہے اور دوسرا اپنی ناسمجھی کی بنا پر گمراہ ہو کر دہریہ (۱) بن جاتا ہے۔ ایک انسان اس کائنات کی ترتیب، چیزوں کی ترتیب اور ان چیزوں کی خاصیتوں کو دیکھ کر ایک اللہ کی کاری گری اور صورت گری پر تعجب کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح یہ پکار اٹھتا ہے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ
حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (۲)

ترجمہ: ”میں نے اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر اُس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

دوسری طرف اس کائنات کی مادّی قوتوں اور خاصیتوں کی ظاہر داریوں میں پھنس کر انسان کے دل و دماغ اور انسان کی عقل، اللہ کے وجود کا انکار کر بیٹھتی ہے اور مادّے کو ہی اصل کائنات سمجھ بیٹھتی ہے اور اس طرح عقل ان مادّی چیزوں کے پردے کے پیچھے، اصل مالک اور خالق کی ذات اور اُس کی عظمت و طاقت سے کچھ آگاہی حاصل نہیں کر پاتی۔ ایسی ہی عقل رکھنے والے لوگ اپنی ناسمجھی کی بنا پر کہہ اُٹھتے ہیں:

مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا
وَ مَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ (۳)

(۱) دہریہ: اللہ کے وجود کا انکار کرنے والا۔

(۲): سورۃ الانعام: آیت نمبر ۷۹۔ (۳): سورۃ الجاثیۃ: آیت نمبر ۲۴۔

ترجمہ: ''جو کچھ زندگی ہے' بس یہی ہماری دُنیوی زندگی ہے اور ہمیں کوئی اور نہیں' زمانہ ہی ہلاک کر دیتا ہے۔''

دوستو! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اسی قرآن کو پڑھ کر ایک انسان تو خدا کو پہچان لیتا ہے اور دوسرے انسان کے دل میں شبہے پیدا ہوتے ہیں' اُس کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کر بیٹھتا ہے۔ آپ غور فرمائیے کہ پیغام ایک ہے' البتہ دل اور دماغ دو ہیں۔ یہ دونوں دل اور دماغ' ایک ہی خالق کے بنائے ہوئے ہیں' لہٰذا خالق دو نہیں ہیں۔ اس مثال سے نتیجہ کیا نکلا؟ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر کام کے دو انداز یا دو رُخ' تو ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان دو رُخوں کی وجہ سے اسے پیدا کرنے والی طاقتیں بھی دو ہیں۔ یہ تمام انداز اور رنگا رنگی ایک ہی قدرت کے تماشے ہیں۔ خیر اور شر دونوں قوتیں اُس ایک اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ (۱)

ترجمہ: ''ہم نے اُسے راستہ دکھایا کہ وہ یا تو شکر گزار ہو یا ناشکرا بن جائے۔''

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشمس میں یوں بیان فرمایا ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (۲)

ترجمہ: ''ہر نفس میں اللہ نے اس کی گناہ گاری اور نیکوکاری الہام کر دی ہے' تو جس نے اسے (نفس) پاک کیا' اس نے نجات پائی اور جس نے اسے مٹی میں ملایا وہ ناکام ہوا۔''

دوستو! اُوپر بیان کی گئیں یہ تین بنیادی وجوہات تھیں' جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اصل اور خالص توحید کا تصور مٹ چکا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے عالم گیر اور ابدی پیغام نے توحید کے اصلی اور سچے

(۱): سورۃ الدھر: آیت نمبر ۳۔

(۲): سورۃ الشمس: آیت نمبر ۸ تا ۱۰۔

تصور کو قائم کیا، تاکہ انسان اپنے اصلی خالق اور مالک سے جُڑیں، اس کی عظمت کو پہچانیں، اسی کی عبادت کریں اور صرف اُسی کے آگے جھکیں۔ جب اصل اور حقیقی مالک کا تصور قائم ہوا، تو عبادت بھی خالصتاً اللہ کے لیے قائم ہوگئی۔

اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ دینِ اسلام نے حقیقی اور خالص عبادت کا کیا تصور دیا اور انسانوں کے لیے اسے عملی طور پر کس طرح قائم کیا۔

جس طرح توحید کے اصل تصور میں ملاوٹ ہو چکی تھی، بالکل ویسے ہی عبادت کے مقصد اور عبادت کے انداز بھی لوگوں نے خود گھڑ لیے تھے۔ دنیا کے تمام مذاہب میں عبادت کو نمایاں ترین مقام دیا گیا، لیکن قدیم مذاہب میں عام طور پر ایک غلط فہمی یہ پھیل گئی کہ انسانی جسم کو جس قدر تکلیف دی جائے گی، اُسی قدر روحانی ترقی ہوگی اور دل کی اندرونی صفائی اور پاکیزگی بڑھے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں میں جوگ اور عیسائیت میں رہبانیت پیدا ہوگئی، یعنی لوگ اس دنیا کو، دنیاوی کاموں کو اور اپنی ذمہ داریوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر رہنے کو بڑا کام اور بڑی عبادت سمجھ بیٹھے۔ لوگوں نے عبادتوں کے عجیب اور مشکل طریقے نکال کر، انھیں اپنی روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھ لیا۔ کوئی عمر بھر نہانے سے پرہیز کر لیتا، کوئی پوری عمر، حتیٰ کہ شدید سردی میں بھی ننگا رہتا، کوئی عمر بھر کے لیے غار میں بیٹھ جاتا، کوئی عمر بھر ٹاٹ یا کمبل اوڑھے رہتا، کوئی درخت سے الٹا لٹک جاتا تھا، کوئی لمبے عرصے تک اپنا ہاتھ ہوا میں کھڑا کر کے اُسے سُکھا ڈالتا اور کوئی حبسِ دم، یعنی سانس روکنے کو، مہارت جانتا تھا اور کوئی عمر بھر شادی نہیں کیا کرتا تھا۔

پیغامِ محمدی ﷺ کا یہ عظیم احسان ہے کہ اس پیغام نے انسانوں کو ان مصیبتوں سے نجات دلائی اور واضح کیا کہ یہ روحانیت نہیں، بلکہ جسمانی تماشے ہیں۔ ہمارے اللہ کو جسم، شکل اور بناوٹ نہیں بلکہ دل کا رنگ اور دل کا اخلاص پسند ہے۔ دینِ اسلام کی شریعت میں، کسی بھی انسان کو اس کی برداشت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی گئی۔ قرآنِ پاک خود اس بات کی گواہی اس انداز سے دیتا ہے کہ:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (۱)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اُس کی وسعت سے زیادہ ذمے داری نہیں سونپتا۔''

اسلام نے رہبانیت کی بھی مخالفت کی اور اسے بدعت قرار دیا:

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ (۲)

ترجمہ: ''اور رہبانیت جس کو اُنھوں نے (عیسائیوں نے) دین میں داخل کر دیا، ہم نے اُن پر اس کو فرض نہیں کیا تھا۔''

خود نبیِ کریم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا:

لَا صَرُوْرَةَ فِي الْاِسْلَامِ (۳)

ترجمہ: ''اسلام میں رہبانیت نہیں۔''

اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ اُس کی حلال کی گئیں چیزوں اور اُن کی لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا جائے، یہاں تک کہ خود نبیِ کریم ﷺ نے ایک دفعہ شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا، تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (۴)

ترجمہ: ''اے پیغمبر! اللہ نے جسے تیرے لیے حلال کیا، اُسے حرام کیوں کرتا ہے۔''

پیغامِ محمدی ﷺ نے پہلی مرتبہ دنیا کے انسانوں کو بتایا کہ عبادت کا مقصد صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ بندہ اپنے اللہ کے سامنے اپنی بندگی کا اقرار کر لے۔ جو بندے اللہ کو خالق و مالک سمجھ کر اس کی عبادت نہیں کریں گے، اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

(۱):سورة البقرة: آیت نمبر ۲۸۶۔

(۲):سورة الحدید: آیت نمبر ۲۷۔

(۳):سنن أبی داؤد، کتاب المناسك، باب لا صرورة فی الاسلام، رقم: ۱۷۲۹۔ مشکوة، کتاب المناسك ص ۲۲۲۔

(۴):سورة التحریم: آیت نمبر ۱۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ O(۱)

ترجمہ: ''جو لوگ تکبر کی بنا پر عبادت سے سرکشی کرتے ہیں' عنقریب جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبادت پر اس قدر زور دیا گیا ہے' تو آخر اس عبادت کا مقصد کیا ہے؟ اس کی ضرورت کیوں ہے اور آخر عبادت کا نتیجہ کیا ہے؟

دوستو! دینِ اسلام نے عبادت کی غرض اور اس کا ایک ہی نتیجہ فرمایا ہے اور وہ ہے' تقویٰ حاصل کرنا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ O(۲)

ترجمہ: ''اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو' جس نے تمھیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا' تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔''

دینِ اسلام نے اپنی ہر عبادت کا مقصد اور نتیجہ صاف صاف الفاظ میں یوں بیان فرما دیا ہے:

نماز کا فائدہ یہ ہے کہ:

بندہ نماز کے ذریعے' اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا اور ہم کلام ہوتا ہے۔ نماز کے ذریعے' برائیوں سے بچنے کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ(۳)

ترجمہ: ''یقیناً نماز کھلی بدکاریوں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔''

---

(۱) سورۃ المؤمن: آیت نمبر ۶۰۔

(۲) سورۃ البقرۃ: آیت نمبر ۲۱۔

(۳) سورۃ العنکبوت: آیت نمبر ۴۵۔

روزوں کا مقصد یہ ہے کہ:

مسلمان روزوں کے ذریعے اپنی خواہشات اور جذبوں کو قابو میں رکھنے کے لیے، اپنے نفس کی تربیت حاصل کریں۔ اس مقصد کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ (۱)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

حج کا مقصد:

حج ایک عاشقانہ سفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو جذبۂ عشق رکھا ہے، حج اسی جذبۂ عشق کی بھرپور عکاسی ہے۔ حج کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ ایک مسلمان مال اور وقت کی قربانی کے ساتھ ساتھ، سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے، اللہ کے حضور حاضری دے اور نفع حاصل کرلے:

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ
عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (۲)

ترجمہ: "تاکہ وہ اُن فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں، جو اُن کے لیے رکھے گئے ہیں اور متعین دنوں میں اُن چوپایوں پر اللہ کا نام لیں، جو اللہ نے انھیں عطا کیے ہیں۔"

زکوٰۃ ادا کرنے کا مقصد:

زکوٰۃ کی ادائی کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان امت میں، مستحق لوگوں کی مدد کرنے اور ان کے

---

(۱): سورة البقرة: آيت نمبر ۱۸۳۔

(۲): سورة الحج: آيت نمبر ۲۸۔

مسائل میں شرکت کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ آج ہر طرف اپنی تجوریاں بھرنے کا جنون ہے۔ زکوٰۃ اسی دنیا طلبی اور خودغرضی کا علاج اور دل کی صفائی کا ذریعہ بھی ہے:

اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۝ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى ۝ (۱)

ترجمہ: ''جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے (اللہ کے راستے میں) دیتا ہے، حالانکہ اُس پر کسی کا کوئی احسان نہیں تھا، جس کا بدلا دیا جاتا، البتہ وہ صرف اپنے اُس پروردگار کی خوشنودی چاہتا ہے، جس کی شان سب سے اُونچی ہے۔ یقین رکھو! ایسا شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔''

نکاح:

نکاح کرنا اور نسل کو ترقی دینا نبیِ کریم ﷺ کی سنت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ لَّمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ (۲)

ترجمہ: ''نکاح میری سنت ہے اور جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا، وہ مجھ سے نہیں۔''

نکاح کے نتیجے میں حاصل ہونے والی بیویوں اور اولاد کو قرآنِ مجید نے آنکھوں کی ٹھنڈک بتایا ہے۔ دینِ اسلام نے مسلمانوں کے لیے اس خواہش کو اِن الفاظ میں جائز قرار دیا:

وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ۝ (۳)

ترجمہ: ''اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پیارے رب، ہمیں ہماری

---

(۱): سورة الليل: آیت نمبر ۱۸ تا ۲۱۔

(۲): سنن ابن ماجه، باب ما جاء فی فضل النكاح، رقم: ۱۸٤٦۔

(۳): سورة الفرقان: آیت نمبر ۷٤۔

بیبیوں اور بچوں کے ذریعے سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر۔"

قربانی بھی ایک عبادت ہے:

ہر مذہب میں قربانی کو بھی عبادت کا درجہ حاصل ہے، لیکن قربانی کا تصور اور قربانی کے طریقے نہایت غلط تھے۔ قربانی کے نام پر لوگوں کا، اپنے آپ کو دیوتاؤں کے نام پر قربان کرنا، اپنی اولاد کو دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھانا، دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے خون کے چھینٹے دینا اور قربانی کے جانوروں کا گوشت جلانا، لوگوں کے عقائد میں شامل تھا۔ قربانی کے ان غلط عقائد کی وجہ سے، ہر شخص اپنی جان، اپنی اولاد اور بیوی کی جان کو بھی اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ اس ایک غلط اصول نے خودکشی، دُختر کشی، اولاد کو بھینٹ چڑھانا یا مارنا اور شوہر کے مرنے کے بعد، بیوی کا شوہر کی چِتا میں جل کر، ستی ہو جانا اور اسی طرح کی بے شمار انسانیت کش رسمیں پیدا ہو گئی تھیں۔ حضرت محمد ﷺ نے لوگوں کو یہ پیغام دیا اور اصول مقرر کر دیا کہ تمام جانیں صرف اللہ جل شانہ، کی ملکیت ہیں۔ ان کا قتل، صرف اللہ کے حق کی بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ اس طرح پیغامِ محمدی ﷺ نے انسانوں کی قربانی کو بالکل ختم کر دیا۔ جانوروں کی قربانی میں بھی شرط لگا دی کہ اللہ کے علاوہ کسی غیر نام پر ذبح کیے جانے والے جانور کا کھانا، ناجائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قرآن کی زبان میں جانوروں کی قربانی کا طریقہ اور مقصد ان الفاظ میں پیش فرمایا:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۱)

(۱) سورة الحج: آيت نمبر ۳۶،۳۷۔

ترجمہ: ''اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمھارے لیے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے، تمھارے لیے اُن میں بھلائی ہے۔ چنانچہ جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں، اُن پر اللہ کا نام لو، پھر جب (ذبح ہوکر) اُن کے پہلو زمین پر گر جائیں تو اُن (کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ اور اُن محتاجوں کو بھی کھلاؤ، جو صبر سے بیٹھے ہوں اور اُن کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں اور اُن جانوروں کو ہم نے اسی طرح تمھارے تابع بنا دیا ہے، تاکہ تم شکرگزار بنو۔ اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے، نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ ہم نے یہ جانور اسی طرح تمھارے تابع بنا دیے ہیں، تاکہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اُس نے تمھیں ہدایت فرمائی اور جو لوگ خوش اسلوبی سے نیک عمل کرتے ہیں، انھیں خوش خبری سنا دو۔''

یورپ، امریکہ اور جاپان جیسے مہذب ممالک میں، دنیاوی مشکلات سے بچنے کی بہترین تدبیر خودکشی سمجھی جاتی ہے، قانون بھی اسے نہیں روک سکتا۔ اس بارے میں پیغامِ محمدی ﷺ یہ ہے کہ ہماری جان اللہ کی ملکیت اور امانت ہے۔ اپنی جان لینے اور امانت میں خیانت کرنے والے سے آخرت میں مکمل پوچھ گچھ اور حساب کتاب ہوگا اور اس حرام موت کی وجہ سے اگلی دنیا میں، اس دنیا سے بھی زیادہ تکلیف دہ زندگی شروع ہوگی:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۝ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (۱)

ترجمہ: ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔ اور جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر ایسا کرے گا، تو ہم اس کو آگ میں داخل کریں

(۱) سورۃ النسآء: آیت نمبر ۲۹، ۳۰۔

گے۔اور یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔''

دُختر کشی یعنی بیٹیوں کو جان سے مار ڈالنے کی رسم ہندوستان کے راجپوت گھرانوں میں بھی جاری تھی۔ عرب میں سنگ دلی کی انتہا تھی کہ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ پیغامِ محمدی ﷺ کے ایک فقرے نے اس باطل رسم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ O بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ O(۱)

ترجمہ: ''اور جس دن زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی۔''

یونان کی عظیم الشان تہذیب میں پیدا ہونے والے بچوں کا جسمانی معائنہ کر کے کمزور بچوں کو پہاڑ سے گرا کر مار دیا جاتا تھا۔آج کی انسانی تہذیب میں بھی' تمام تر ترقی کے باوجود کبھی غربت اور کبھی ملکی پیداوار کم ہونے کا بہانہ بنا کر' فیملی پلاننگ اور خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر لاکھوں بچوں کا قتلِ عام کیا جا رہا ہے۔اس ضمن میں نبی کریم ﷺ نے نہ صرف لوگوں کو انسانی جان کی حُرمت کا سبق دیا' بلکہ یہ اصول بھی سمجھا دیا کہ روزی کوئی کسی کو نہیں دیتا:

وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا O(۲)

''اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ہم ہی انھیں روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی۔''

مساوات:

اب آپ غور فرمائیے کہ دنیا میں جہاں جہاں نبی کریم ﷺ کے پیغام کو قبول نہیں کیا گیا' وہاں انسان بے شمار مسائل کا شکار ہیں۔ان انسانوں نے حسب ونسب' مال و دولت اور رنگ و رُوپ کی بنیاد پر اللہ کے بندوں کے درمیان دیواریں قائم کر دیں۔ ہندوستان میں قدیم زمانے سے آج تک ہندو

(۱): سورۃ التکویر: آیت نمبر ۸،۹۔

(۲): سورۃ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۳۱۔

معاشرے میں اونچی اور نیچی چار ذاتوں کا نظام قائم ہے۔ سب سے نچلی ذات یعنی شودروں کو مذہب تک اختیار کرنے کا کبھی حق نہیں دیا گیا' وہ آج بھی اپنے علاوہ سب کو "ملیچھ" یعنی ناپاک قرار دیتے ہیں۔ قدیم ایران میں بھی اسی طرح چار ذاتوں کا معاشرتی نظام قائم تھا۔ ملکِ رُوم کے لوگ اپنے آپ کو آقا اور باقی تمام قوموں کو غلام کا درجہ قرار دیا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل نے بھی اپنے آپ کو خدا اور نبیوں کی اولاد قرار دیا اور باقی سب کو کم رُتبہ اور گھٹیا ٹھہرایا۔

انسانی محبت اور انسانی برادری کے دعوے دار یورپ اور امریکہ کے تعصب کی یہ حد ہے کہ کالی قومیں ان کی برابری کے لائق نہیں سمجھی جاتیں۔ ایشیائی قومیں اپنی سانولی رنگت کی وجہ سے ان کے برابر حقوق حاصل کر سکتی ہیں اور نہ ہی ان کے ساتھ سفر میں ایک جگہ بیٹھ سکتی ہیں' حتیٰ کہ بعض ممالک میں ان کے محلّوں میں بھی نہیں رہ سکتیں۔ انسانوں اور انسانیت کی اس سے بڑی ذلّت کیا ہوگی کہ یورپ اور امریکہ کے کلبوں اور ہوٹلوں کے دروازوں پر یہ لکھا ہوا ہے کہ "یہاں کُتوں اور کالے لوگوں کا داخلہ منع ہے۔" آپ اس نفرت اور تعصب کی حد ملاحظہ فرمائیے کہ یہ فرق صرف دنیاوی معاملات میں ہی نہیں ہے' بلکہ عبادت گاہوں اور اللہ کے گھروں میں بھی قائم ہے۔ کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے الگ' گویا اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ یہ دونوں کالے اور گورے بندے' ایک ساتھ کھڑے ہو کر اللہ کے آگے نہیں جھک سکتے۔

پیغامِ محمدی ﷺ نے ہر قسم کے تعصب' فرق اور درجہ بندی کو مٹا ڈالا:

آپ غور فرمائیے کہ پیغامِ محمدی ﷺ نے عالمِ انسانیت پر ایک اور بڑا احسان یہ کیا کہ اعلیٰ حسب ونسب' مال و دولت اور شکل وصورت' غرض ہر قسم کی برائی اور فرق کو ختم کر دیا۔ قریش کے خاندان کو اپنی اعلیٰ نسبی' یعنی اونچا خاندان ہونے پر بہت غرور اور ناز تھا۔ فتحِ مکہ کے دن آپ ﷺ نے حرمِ کعبہ میں کھڑے ہو کر' ان الفاظ میں اہلِ قریش کے فخر و تکبر کو توڑ ڈالا:

يَا مَعْشَرَ الْقُرَيْشِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ

وَ تَعْظِیْمَهَا بِالْاٰبَاءِ فَالنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمَ مِنْ تُرَابٍ (۱)

ترجمہ: ''اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غروراور نسب کا فخر خدا نے مٹادیا'
تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں پھر واضح کردیا کہ:

لَیْسَ لِلْعَرَبِیِّ فَضْلَ عَلَی الْعَجَمِیِّ وَ لَا لِلْعَجَمِیِّ فَضْلَ
عَلَی الْعَرَبِیِّ کُلُّکُمْ اٰدَمَ وَ اٰدَمَ مِنْ تُرَابٍ (۲)

ترجمہ: ''عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے' تم سب کے سب آدم (علیہ السلام) کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ اصلی فرق عمل کا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اَذْهَبَ عَنْکُمْ عُبِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ وَ فَخْرِهَا بِالْاٰبَاءِ . اِنَّمَا هُوَ
مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ وَ فَاجِرٌ شَقِیٌّ النَّاسُ کُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَ اٰدَمَ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ (۳)

ترجمہ: ''اللہ نے جاہلیت کے زمانے کے غروراور نسب کے فخر کو مٹادیا' انسان اب یا متقی ایمان دار ہے اور یا گناہ گار بد بخت ہے' تمام انسان آدم (علیہ السلام) کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت محمد ﷺ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے اللہ جل شانہٗ کا یہ پیغام سنایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ
قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ؕ (۴)

---

(۱): ابنِ هشام، تفسیر الراغب اصفهانی، تاریخِ طبری، ص ۱۲۰، ج ۳۔

(۲): مسند احمد۔

(۳): سنن الترمذی، باب فی فضل الشام و الیمن۔ و سنن أبی داود، باب فی التفاخر بالاحساب، رقم ۵۱۱۶۔

(۴): سورۃ الحجرات: آیت نمبر ۱۳۔

ترجمہ: ''اے انسانو! تم سب کو اللہ نے ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلہ قبیلہ اور خاندان خاندان اس لیے بنایا ہے، تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، خدا کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔''

پھر محسنِ انسانیت نے دنیا کے تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ خوبصورت پیغام بھی سنایا:

وَ مَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ○ (۱)

ترجمہ: ''اور نہ تمھارے مال تمھیں اللہ کا قرب عطا کرتے ہیں اور نہ تمھاری اولاد۔ ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، تو ایسے لوگوں کو ان کے عمل کا دوہرا ثواب ملے گا اور وہ (جنت کے) بالاخانوں میں چین کریں گے۔''

پیغامِ محمدی ﷺ نے مساوات کے ساتھ ساتھ اخوت بھی قائم کی:

حضرت محمد ﷺ نے انسانوں پر یہ بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان تعصب، اُونچ نیچ اور درجہ بندی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا اور یہ پیغام دیا کہ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (۲)

ترجمہ: ''حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اس لیے اپنے دو بھائیوں کے درمیان تعلقات اچھے بناؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تمھارے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا جائے۔''

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے مجمع میں یہ اعلان فرمادیا کہ:

---

(۱): سورۃ السبا: آیت نمبر ۳۷۔

(۲): سورۃ الحجرات: آیت نمبر: ۱۰۔

ترجمہ: ’’مسلمان‘ مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے ہلاکت میں ڈالتا ہے‘ جو آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ اس کی ضرورت پوری فرمائے گا اور جو آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی سے کوئی مصیبت دُور کرے گا‘ تو قیامت کے دن اللہ عزوجل اس کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دُور کرے گا اور جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔‘‘(۱)

انسانوں کے درمیان بھائی چارے‘ برابری‘ اور برادری کے اس پیغام نے کالے‘ گورے‘ عجمی‘ عربی‘ ترکی‘ تاتاری‘ زنگی اور فرنگی کا فرق مٹادیا اور اللہ کریم نے اپنے اس احسان کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا(۲) (خدا کے فضل سے تم سب‘ اب بھائی بھائی ہو گئے ہو)۔ پیغامِ محمدی ﷺ نے سب پر واضح کردیا کہ اللّٰــہ کے گھر میں کوئی فرق نہیں‘ حسب نسب کا کوئی فرق نہیں‘ پیشے اور منصب کا کوئی فرق نہیں‘ غربت اور امارت کا کوئی فرق نہیں‘ اللّٰـہ تعالیٰ کے ہاں سب برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ کوئی برہمن ہے نہ شودر۔ قرآن سب کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی۔ رشتہ ناطہ ہر ایک کا ہوسکتا ہے۔ علم پر سبھی کا حق ہے اور حقوق سب کے برابر ہیں‘ یہاں تک کہ خون بھی سب کا برابر ہے‘ اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ یعنی جان کے بدلے جان۔

ع ترے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

انسانوں پر پیغامِ محمدی ﷺ کے کس کس احسان کا ذکر کیا جائے۔ اس پیغام کے ذریعے انسانوں کے ہر طبقے کو نوازا گیا۔ عورتوں اور غلاموں کو جو عزت اور حقوق دینِ اسلام نے عطا فرمائے

---

(۱): ”اَلْمُسْلِمُ أَخُوا الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَ لَا يُسْلِمُهُ مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهِ وَ مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰـهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“۔ (صحیح بخاری، باب یمین الرجل لصاحبه انه اخوه، رقم:۶۹۵۱۔ صحیح مسلم، باب تحریم الظلم، رقم:۵۸۔ سنن أبی داود، باب المواخاه، رقم:۴۸۹۳۔ فیض الباری علی صحیح البخاری، باب لا یظلم المسلم المسلم، رقم:۲۴۴۲)

(۲): سورۃ آل عمران: آیت نمبر ۱۰۳۔

وہ آج تک کسی بھی تہذیب وتمدن، حتیٰ کہ کسی مذہب نے بھی عطا نہیں کیے۔

دین اور دُنیا کا فرق:

کبھی آپ نے سوچا اور غور فرمایا کہ آج دنیا میں وہ کون سی چیز ہے، جس نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی؟ وہ ہے دین اور دنیا کا فرق۔ دین اور دنیا کے دو الگ الگ خانے بنا کر، دین کے کام الگ کر دیے گئے اور دنیا کے الگ، اللہ کا حکم الگ ٹھہرایا گیا اور حکمران کا حکم الگ، گویا دنیا اور دین دونوں کو حاصل کرنے کے لیے راستے جدا جدا کر دیے۔ توجہ فرمایئے کہ یہی سب سے بڑی غلطی تھی۔ لوگ ایک انتہائی شدید غلط فہمی کا شکار ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کو ترک کر کے، گوشہ نشینی اختیار کر کے، صرف ذکر وفکر کرنے کا نام دین داری ہے اور اس کے برعکس اپنے ماں باپ، آل اولاد، دوست احباب، ملک وقوم، اپنی مدد آپ، روزی کی فکر اور اولاد کی پرورش گویا دنیا داری ہے۔ پیغامِ محمدی ﷺ نے اس غلط فہمی کا پردہ چاک کر ڈالا اور لوگوں کی اس ناسمجھی کی اصلاح کر کے، نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بتایا کہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ دنیا کے کاموں کو اللہ کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق انجام دینا ہی دین ہے۔ اسلام میں دین اور دنیا الگ الگ شعبے نہیں ہیں۔ دراصل ہمیں ضرورت ہے کہ دین کی اصل روح کو سمجھیں اور یہ حقیقت جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام حقوق وفرائض کو بہترین طریقے سے ادا کرنا بھی دین داری ہی ہے۔

دین نے دنیا اور آخرت کی بنیاد دو چیزوں پر قائم کی ہے: ایمان اور اعمالِ صالح۔

ایمان:

پانچ چیزوں پر اعتقاد رکھنے کا نام ایمان ہے:

① اللہ تعالیٰ پر ایمان ② نیکی کا راستہ بتانے والے پیغمبروں پر ایمان ③ فرشتوں پر ایمان ④ پیغمبروں پر نازل کی گئیں کتابوں پر ایمان ⑤ اللہ کے پیغام پر عمل کرنے والوں کو جزا ملنے اور عمل نہ کرنے والوں کو سزا ملنے پر ایمان۔

اعمالِ صالحہ:

جب ایمان قائم ہو جاتا ہے‘ تو انسان اپنے ہر عمل کی بنیاد ایمان پر رکھتا ہے‘ کیونکہ ان پانچ چیزوں پر یقین اور ایمان رکھے بغیر ہم اپنے تمام اعمال نیک نیتی‘ سچائی اور خلوص سے نہیں کر سکتے۔ گویا ہماری زندگی کے تمام کاموں اور اعمال کو اعمالِ صالح ہونا چاہیے۔ ان میں ذرہ برابر بھی ملاوٹ اور بناوٹ نہیں ہونی چاہیے۔ سچے اور خالص اعمال ہی اعمالِ صالح کہلاتے ہیں۔

دوستو! آپ نے ساتویں لیکچر میں بھی ملاحظہ فرمایا کہ ”اعمالِ صالحہ“ کے تین حصے ہیں:

پہلا حصہ عبادات یعنی وہ عمل جن کے ذریعے اللہ کی بڑائی اور بندے کی بندگی کا اظہار ہوتا ہے۔

دوسرا حصہ معاملات یعنی انسانوں کے آپس کے لین دین‘ کاروبار اور اُمت میں اتحاد اور تنظیم پیدا کرنے کے قوانین اور قاعدے‘ جن کی وجہ سے انسانی معاشرہ بربادی اور ہلاکت سے بچا رہتا ہے اور ظلم و ناانصافی مٹ کر امن قائم ہو جاتا ہے۔

تیسرا حصہ اخلاقیات ہے یعنی وہ حقوق جو ایک دوسرے پر اگرچہ قانونی حیثیت سے فرض نہیں‘ مگر روح کی تکمیل اور انسانی معاشرے کی ترقی کے لیے بہت ضروری ہیں۔ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ انھی چار چیزوں‘ یعنی ایمانیات‘ عبادات‘ معاملات اور اخلاقیات کی درستی اور سچائی پر ہی‘ ہماری دنیاوی کامیابی اور آخرت کی نجات کا دارومدار ہے۔ یاد رکھیے کہ خاموشی‘ گوشہ نشینی اور کسی بھی انسان کا اپنے خاندان اور معاشرے سے الگ ہو کر زندگی گزارنا‘ اسلام نہیں ہے۔ دینِ اسلام جدوجہد‘ سعی و عمل اور سرگرمی کا نام ہے۔ اسلام موت نہیں حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۱)

ترجمہ: ”انسان کے لیے وہی ہے جس کے لیے وہ کوشش کرے۔“

(۱): سورۃ النجم: آیت نمبر ۳۹۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (۱)

ترجمہ: ''ہر شخص اپنے کرتوت کی وجہ سے گروی رکھا ہوا ہے۔''

بس یوں سمجھ لیجیے کہ اسلام اور مسلمان کی زندگی جہاد اور مجاہدے کی زندگی ہے، لیکن خلوت اور تنہائی میں بیٹھ کر نہیں، بلکہ میدانِ عمل میں نکل کر۔ آپ بلا شبہ دنیا کے خوش قسمت ترین انسان ہیں کہ محسنِ انسانیت آقائے کریم محمد ﷺ کی مقدس اور مبارک زندگی، خلفائے راشدین اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی پاکیزہ زندگیاں بطورِ نمونہ آپ کے سامنے ہیں۔ انھی کی پیروی میں آپ کی نجات ہے۔ یہی آپ کی فلاح کا ذریعہ اور آپ کی مبارک زندگی کی منزل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا پیغام گوتم بدھ کی طرح ''ترکِ خواہش'' نہیں بلکہ ''تصحیحِ خواہش'' ہے۔ معلّمِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کا پیغام حضرت عیسیٰ کے پیغام کی طرح دولت اور قوت کو حقیر سمجھنا نہیں، بلکہ دولت اور قوت کو حاصل کر کے ان کے صحیح استعمال اور مصرف کے طریقوں کو درست کرنا ہے۔ نبیِ کریم ﷺ کے پیغام کے مطابق اسلام ''عمل'' ہے، ''ترکِ عمل'' نہیں۔ اسلام ''فرائض کی ادائی'' کا نام ہے، ''ترکِ فرائض'' نہیں۔ ان تمام فرائض کی تشریح اور ان کی ادائی کا صحیح صحیح طریقہ اور نقشہ آپ کو صرف اور صرف نبیِ کریم ﷺ اور اُن کے پاکیزہ ساتھیوں کی سیرتوں میں ملے گا، جن کی زندگیوں کا نقشہ قرآنِ پاک نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ
بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا
سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ (۲)

ترجمہ: ''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بھاری اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم دل ہیں، تم انھیں دیکھو گے کہ

(۱): سورۃ المدثر: آیت نمبر ۳۸۔

(۲): سورۃ الفتح: آیت نمبر ۲۹۔

کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں، (غرض) اللّٰہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں، اُن کی علامتیں سجدے کے اثر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ کافروں کے ساتھ جہاد بھی قائم ہے، آپس میں برادرانہ اُلفت و محبت کے جذبات بھی ہیں۔ اللہ کے سامنے رکوع میں جھکے اور سجدے میں گرے ہوئے بھی ہیں اور پھر دنیا میں اللہ کی مہربانی اور رضا کے طالب بھی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فَضۡلُ مِنَ اللّٰہِ یعنی روزی اور معاش میں بھی دین کی طلب جاری ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوۡنَ يَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِيۡهِ الۡقُلُوۡبُ وَالۡاَبۡصَارُ ۝(1)

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں، جنھیں تجارت اور خرید و فروخت، اللّٰہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی، نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ دینے سے۔ وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں، جس میں دل اور نگاہیں اُلٹ پلٹ کر رہ جائیں گی۔"

ع در کفے جامِ شریعت در کفے سِندانِ عشق

(ترجمہ: ایک ہاتھ میں شریعت کا جام اور ایک ہاتھ میں عشق کی سِندان(2) یعنی یہ سچے ایمان والے اللہ اور رسول ﷺ کے عشق میں زندگی گزارتے ہیں اور شریعت کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلتے ہیں، جو بہت بڑے مجاہدے کا کام ہے۔)

مسلمانوں اور رومیوں کی ایک جنگ کا حال ملاحظہ فرمائیے! اسلامی فوج کے سپاہی صحابۂ کرام رضی اللّٰہ عنھم ہیں۔ رومی فوج کا سپہ سالار، ان مسلمان سپاہیوں کی حالت دیکھنے کے

---

(۱): سورۃ النور: آیت نمبر ۳۷۔

(۲) سِندان: اہرن کو کہتے ہیں جو لوہے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ لوہار اسی پر لوہا کوٹتے ہیں، جبکہ سُنار سونا چاندی گھڑتے ہیں۔

لیے اسلامی کیمپ میں چند جاسوس بھیجتا ہے۔ وہ جاسوس مسلمان فوجیوں کے شب و روز کی مصروفیات سے بے پناہ متاثر ہوتے ہیں اور واپس جا کر رُومی سپہ سالار کو بتاتے ہیں کہ مسلمان کیسے سپاہی ہیں:

هُمْ بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَ بِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ

''وہ راتوں کے راہب اور دن کے شہسوار ہیں۔''

اور دوستو! یہی اسلام کی اصل زندگی ہے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بیمار اُمّت کے لیے نسخۂ شفا

از: شیخ المشائخ محی السنۃ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرمایا: جس طرح ٹی بی کا مریض روزانہ ایک دوا کی گولی یا ٹکیہ استعمال کرے، ایک انجکشن لگواتا رہے تو وہ طاقت ور ہو جاتا ہے، اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ اُمّت بھی جو آج غلطی میں مبتلا ہے، اگر وہ سُنّت کی گولی استعمال کرے تو وہ بھی صحت مند ہو جائے گی اور ترقی کرنا شروع کر دے گی۔ اور جب ہم سُنّت پر عمل کریں گے، تو جو کرنے کی چیزیں ہیں اس کو کریں گے، مامورات پر عمل کریں گے اور جو چیزیں چھوڑنے کی ہیں اس سے بچیں گے، منہیات کو چھوڑیں گے۔

(تعلیم الاصلاح: ۲۰)

اور فرمایا: کمزور آدمی جب خمیرہ کھانا شروع کرتا ہے تو طاقت آجاتی ہے کہ نہیں؟ ایک ذرا سی ٹکیہ کھاتے ہو بخار چلا جاتا ہے، انجکشن لگاتے ہو طاقت آجاتی ہے۔ کیا سُنّت کی ٹکیہ کھاؤ گے تو اُمّت زندہ نہیں ہوگی؟ چین و سکون نہیں ملے گا؟ کوئی خمیرہ کھائے گا، مقویات کھائے گا، اثر ہوگا کہ نہیں؟ اثر ہوگا، لیکن مسلسل کھائے، قاعدہ سے کھائے۔ اسی طرح اہتمام کے ساتھ سُنّت پر عمل کرے، مسلسل عمل کرے تاکہ ساری زندگی سُنّت کے موافق ہو جائے۔ (مومن کی پہچان: ۱۲، ۱۳)

فِدا تجھ پہ ہے آخاکِ شہرِ مدینہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مُبارک تجھے ہو اے ارضِ مدینہ
نبی کا شہر ہے یہ شہرِ مدینہ

ترے پاس جب سیّدِ دوجہاں[1] ہیں
نہ کیوں رشکِ افلاک ہو پھر مدینہ

ترے سبز گُنبد پہ عالم فدا ہے
فلک جیسے چُومے زمینِ مدینہ

ترا ذرّہ ذرّہ نشانِ نبی ہے
فِدا تجھ پہ میں خاکِ شہرِ مدینہ

اُحد کے یہ دامن میں خونِ شہیداں
سبق دے رہی ہے وفائے مدینہ

نشانی ہے اسلام کی عظمتوں کی
صحابہ[2] کے قدموں سے خاکِ مدینہ

وفاداریوں پر صحابہ[2] کی اخترؔ
ہے تاریخ روشن یہ شہرِ مدینہ

[1] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہم

منقبت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سیہ دیدہ میں پوشیدہ جمالِ حق کی تابانی
صحابہ کے دلوں کو جس نے بخشا نورِ یزدانی

وہ سُلطانِ جہاں تھے قلب میں تھا فقرِ پنہانی
مقامِ عبدیت کے ساتھ تھی ان کی جہانبانی

خدا دیدہ نظر کو چوں کہ دیکھا تھا صحابہ نے
وہ ایماں آج کیسے پا سکے گا کوئی ربانی

تجلّی گاہ جو جاں تھی اسی روحِ منور سے
ہر اک مومن کو ہوتی تھی عطا معراجِ روحانی

مبارک اُنکی آنکھوں کو کہ جن آنکھوں نے دیکھے تھے
نبی کے چہرۂ انور پہ جلوہ ہائے ربانی

جنھوں نے مال و زر بھی آبرو بھی جان بھی دے دی
کوئی جانے گا کیا ان کا مقامِ کیفِ احسانی

ہمیشہ ہر صحابی راہِ سُنت کا تھا شیدائی
وہ دیوانے تھے لیکن خاک پا تھی ان کی فرزانی

یہ کیسا معجزہ تھا دوستو شانِ رسالت کا
شُتربانوں کو بخشے جس نے آدابِ جہانبانی

خدا ان سے ہے راضی اور وہ رب سے ہوئے راضی
شہادت اس حقیقت پر ہیں خود آیاتِ قرآنی

بھلا غیرِ صحابی پا سکے گا مرتبہ ان کا
کہ ہے منصوص ان پر رحمتِ حق فضلِ رحمانی

صحابہ کی محبت کو بھی ہم ایماں سمجھتے ہیں
کہ ان کے دم سے امت کو ملی تعلیمِ قرآنی

صحابہ کی حیات باوفا تاریخ ایماں ہے
جو اختر دے رہی ہے رات دن پیغامِ ایمانی

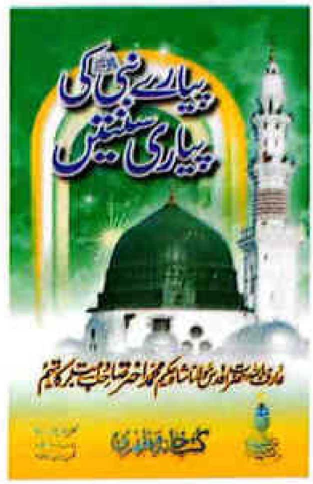
*

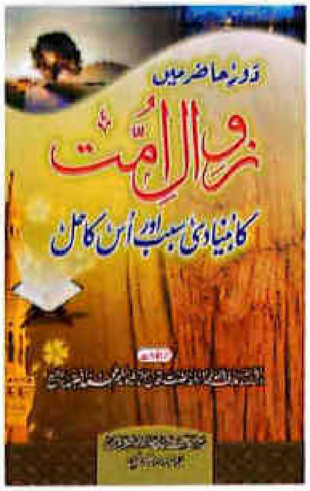
اہل اللہ کو ''مجنوں'' کا لقب کیوں دیا جاتا ہے؟

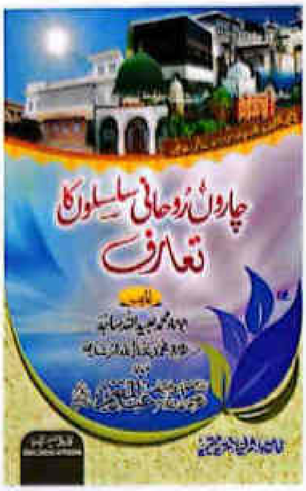
از: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

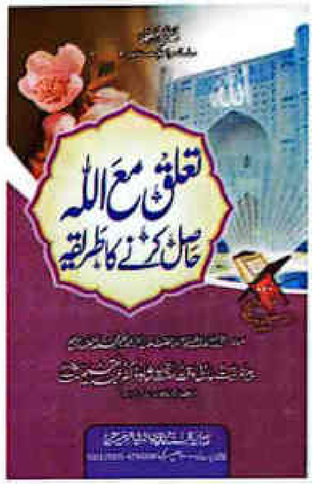
فرمایا کہ جو شخص اعلیٰ درجہ کا محبّ ہوتا ہے، اس کے افعال، عقل، معاش اور دُنیوی مصلحت کے خلاف ہونے لگتے ہیں، اسی لیے دنیاداران کو ''پاگل ومجنوں'' کا لقب دینے لگتے ہیں۔ چنانچہ کفارِ مکہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ''السفہاء'' کہا تھا، کیوں کہ وہ حضرات سب اعزہ واقربا کو چھوڑ کر اور مال ومتاع کو خیر باد کہہ کر ایمان لائے تھے۔

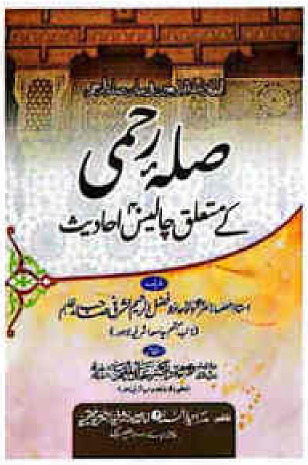
(کمالاتِ اشرفیہ: ۳۶)

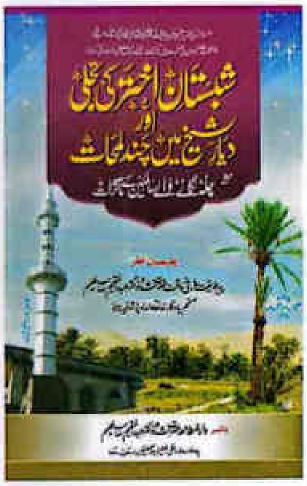


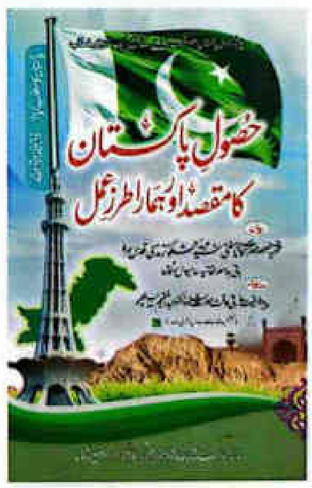




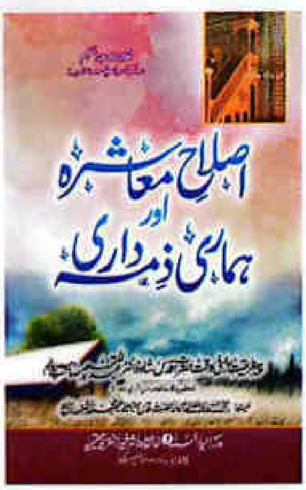












مدرسہ احیاء السنہ وخانقاہ اشرفیہ اختریہ مقیمیہ
فاروقہ پوسٹ کوڈ ۴۰۴۰۰ ضلع سرگودھا